2
طلسم جمشید

بوستانِ خیال

دوسرا حصّہ

طِلسم جمشید

مقبول جہانگیر

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

سیّارہ زُحل کی پُراسرار لَوح

سُلطان مہدی کو دُشمنوں کی قید میں بارہ برس گزر چکے ہیں۔ افریقیہ کے حاکم عبدالعزیز مغربی نے راتوں رات سُلطان مہدی کو کوہ قاف میں پہنچا دیا تھا۔ کوہ قاف میں جِنوں کی سلطنت تھی اور وہاں ایک زبردست طِلسم (جادُو) صدیوں سے قائم تھا، جسے طِلسم جمشید کہتے تھے۔ یہ طِلسم آزر کیواں نام کے ایک جادُوگر نے کئی ہزار سال پہلے بنایا تھا۔ آزر کیواں کی عُمر بھی

ایک ہزار برس کی ہوئی ہے۔ وہ حکیم جمشید کا شاگرد تھا۔ چناں چہ اُس نے اپنے استاد کا نام زندہ رکھنے کے لیے یہ عجیب و غریب طِلسم بنایا۔

اُس کی خاصیّت یہ تھی کہ جو شخص اِس میں محافظ طِلسم کی اِجازت کے بغیر داخل ہوتا، مرتے دم تک وہاں سے نکلنے نہ پاتا۔ یہی سوچ کر عبد العزیز مغرِبی نے اِس طِلسم کے محافظ سے درخواست کی کہ وہ چند قیدیوں کو طِلسم جمشید میں داخل کرانے کا خواہش مند ہے۔ محافظ طِلسم نے اُس کی یہ درخواست قبُول کی اور یُوں سلطان مہدی اپنے ایک سو سپہ سالاروں سمیت اِس طِلسم میں قید ہوئے۔

اب خُدا کی قُدرت دیکھو کہ جس رات سُلطان مہدی کو ثعلبہ عیّار نے دھوکا دے کر آتش بازی کے باغ میں گرفتار کیا، اُسی رات اُن کے گھر میں سیّدہ خاتون نے ایک شہزادے کو جنم دیا۔ اُس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا۔ نجومیوں

نے شہزادے کا زائچہ تیّار کر کے بتایا کہ یہ بڑا شہ زور اور نام ور ہو گا، بڑے بڑے پہلوان اور بادشاہ اس کے آگے سر جھُکائیں گے اور اسی شہزادے کے مقدّر میں ہے کہ اپنے باپ کو آزاد کرائے۔ اس کے علاوہ جو شخص بھی طِلسم جمشید میں جانے کا ارادہ کرے گا، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہیں رہ جائے گا۔

شہزادہ اسمٰعیل جب چودہ برس کا ہوا تو ایک دِن وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جنگل کی طرف گیا۔ ہر وقت اس کے ذہن اپنے والد سلطان مہدی کا خیال آتا رہتا جنہیں اُس نے دیکھا بھی نہ تھا۔ وہ سوچتا، نہ جانے طِلسم جمشید میں میرے باپ پر کیا گزری ہو گی۔ خُدا جانے کہ زندہ بھی ہیں یا دُشمنوں نے اُنہیں مار ڈالا۔ چودہ برس کی اِس مدّت میں کوئی بھی سُلطان مہدی کی خبر نہیں لا سکا تھا کہ وہ کس حال میں ہیں۔

ایک چشمے کے کنارے پہنچ کر شہزادے نے گھوڑا روکا، وُضُو کیا اور نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ نماز پڑھ کر اُس نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور خُدا سے اِلتجا کی کہ اُس کے باپ کے بارے میں جلد کوئی خبر ملے اور وہ دِن آئے جب وہ اُنھیں اِس خوفناک طِلسم سے آزاد کرا سکے۔ شہزادے نے خُدا سے ہمّت اور ارادہ پُختہ ہونے کی دُعا بھی کی۔

اچانک ہوا میں ایک آواز سُنائی دی۔ شہزادے نے گردن اُٹھا کر دیکھا۔ ایک ہیبت ناک شکل کا جِن فضا میں اُڑ رہا تھا اور زنّاٹے کی یہ آواز جِن کے بڑے بڑے پروں میں سے نکل رہی تھی۔ ایسا خوف ناک اور بڑا جِن شہزادے نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اُس نے جھٹ نیام سے تلوار کھینچ لی۔ جِن نے قہقہہ لگایا اور آہستہ آہستہ فضا سے اُتر کر شہزادے کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اُس کا قد پچاس گز سے کسی طرح کم نہ تھا۔ وہ بولا :

"اے فرزند! خوف نہ کھاؤ۔ میں تمہارا دوست ہوں اور تمہیں خوش خبری دینے آیا ہوں کہ طِلسم جمشید کی فتح کا وقت قریب آگیا اور یہ طِلسم تمہارے ہاتھوں برباد ہو گا۔ خُدا نے تمہاری دُعا قبول کی اور مُجھے حُکم دیا کہ جلد تمہارے پاس پہنچوں اور یہ خبر سُناؤں۔ میرا نام عبد الخیر جِن ہے اور میں دینِ اسلام پر ایمان رکھتا ہوں۔"

"تمہارا آنا مبارک ہو، اے عبد الخیر۔" شہزادے نے کہا۔ "میں تو تمہیں دیکھ کر ڈر گیا تھا۔ اب بتاؤ کہ اپنے والد کو طِلسم جمشید سے آزاد کرانے کے لیے مُجھے کیا کرنا ہو گا؟"

"یہ بات تمہیں شاہِ آگاہ بتائیں گے۔" جِن نے جواب دیا۔ "آؤ میں تمہیں اُن کے پاس لے چلوں۔"

یہ کہتے ہی جِن نے شہزادے کو گھوڑے پر سوار ہونے کا اِشارہ کیا۔

شہزادے اپنے گھوڑے پر بیٹھ گیا۔ جِن نے ہاتھ بڑھایا اور شہزادے کو گھوڑے سمیت اپنی ہتھیلی پر رکھ کر ایک دم فضا میں بُلند ہوا۔ آناً فاناً وہ اتنا اونچا ہو گیا کہ جنگل پہاڑ ننھّے مُنّے دِکھائی دینے لگے۔ عبد الخیر جِن بے پناہ رفتار سے ایک نا معلوم منزل کی جانب پرواز کر رہا تھا۔ اتنی دیر میں وہ کئی ہزار کوس دُور جا چکا تھا۔ پھر اُس کی رفتار کم ہونے لگی۔ شہزادہ اسمٰعیل نے آنکھیں کھول کے دیکھا۔ عبد الخیر جِن ایک خُوش نُما باغ میں آہستہ آہستہ اُتر رہا تھا۔ اِس باغ میں ہزارہا قسم کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ جا بجا چاندی کے سے پانی کے چشمے اور نہریں بہہ رہی تھیں۔ ایک عالی شان بارہ دری باغ کے عین درمیان میں بنی تھی۔

عبد الخیر جن نے شہزادے کو بارہ دری کے قریب اُتارا اور پلک جھپکتے میں نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ شہزادہ ابھی تک اپنے گھوڑے پر سوار

تھا۔ دیر تک وہ حیران پریشان وہاں کھڑا رہا۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ اِس عظیم الشّان باغ میں اُس کے سوا کوئی اور نہ تھا۔ آخر اُس نے اللہ کا نام لے کر گھوڑے کو ایک درخت سے باندھا اور بارہ دری کی جانب بڑھا۔ اُس نے دیکھا کہ در و دیوار سے عجیب عجیب روشنیاں پھُوٹ رہی ہیں۔ جوں ہی وہ ایک وسیع دالان میں آیا، آسمان سے زردیاقوت کا بنا ہوا ایک بہت بڑا تخت اُترا اور اُس دالان میں آ کر ٹھہرا۔

تخت پر نورانی شکل و صورت کے ایک بزرگ بیٹھے تھے۔ ان کی داڑھی ناف تک لمبی اور دُودھ کی مانند سفید تھی۔ مونچھوں، بھنوؤں اور سر کے بال بھی سفید تھے۔ چہرہ سُرخ اور آنکھوں سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔ عجیب جلال کی کیفیّت تھی۔ شہزادے کا دِل آپ ہی آپ دھڑکنے لگا۔ اُن بزرگ نے اشارے سے شہزادے کو قریب بُلایا اور کہا :

"ادھر آؤ اسمٰعیل، تمھاری خاطر ہمیں اِس وقت دس ہزار کوس کا سفر کر کے یہاں آنا پڑا ہے۔ عبدالخیر جِن نے تمھیں میرا نام بتایا تھا۔ مُجھے شاہ آگاہ کہتے ہیں۔ خُدا نے اپنے فضل و کرم سے بہت سی راز کی باتیں مُجھ پر کھول دی ہیں اور جہاں تک مُجھ سے ہوتا ہے۔ میں مخلوقِ خُدا کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہُوں۔ اب جو کُچھ میں کہوں، اُسے خوب غور سے سُنو اور اُس پر عمل کرو۔ تبھی تُم اپنے باپ سُلطان مہدی کو طِلسم جمشید سے آزاد کرا سکو گے۔"

شہزادے نے بڑھ کر شاہ آگاہ کو سلام کیا، اُن کے ہاتھ چومے اور ادب سے کھڑا رہا۔ بزرگ نے اُسے بڑی محبّت اور شفقت سے تخت پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ شہزادے نے حُکم کی تعمیل کی۔ اِس کے بعد شاہ آگاہ نے کہا:

"حکیم جمشید کا ایک شاگرد آذر کیواں تھا۔ یہ طِلسم اُسی نے اپنے اُستاد کا نام و نشان زندہ رکھنے کے لیے بنایا تھا۔ حکیم جمشید آغا ذیموں مِصری کا شاگرد تھا اور کہتے ہیں کہ ابھی تک اُس سے بڑا جادُوگر کوئی اور نہیں ہوا۔ آذر کیوان کی عُمر ایک ہزار برس سے زیادہ کی ہوئی اور جب وہ مرا تو اُس کی روح سیّارہ زُحل (سیٹرن) میں چلی گئی۔ اِس طِلسم کو فتح کرنے کے لیے زُحل کی لَوح (تختی) کی ضرورت ہے۔ اُس کے بغیر ہر کام بے کار اور فضول ہے۔ اِس طِلسم کا سیّارہ بھی زُحل ہے اور تمام سیّارے اُس کے ماتحت ہیں۔ زُحل پر کئی ہزار برس سے سیاہ پوش کا قبضہ ہے۔ یہی طِلسم جمشید کا محافظ ہے۔ اب میں تمھیں اپنے ساتھ لیے چلتا ہوں۔ خبردار! گھبرانا اور خوف زدہ مت ہونا۔ میں ہر مُشکل میں خُدا کے حُکم سے تمھارے ساتھ رہوں گا۔"

یہ کہہ کر شاہ آگاہ نے مُنہ ہی مُنہ میں کُچھ پڑھا۔ یکایک وہ باغ نظروں سے اوجھل ہو گیا اور شہزادے نے ایک بار پھر اپنے آپ کو فضا میں پایا۔ شاہ آگاہ کا وہ پر اسرار تخت زبردست رفتار سے مشرق کی جانب اُڑا جا رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے یہ تخت ایک پہاڑ کے دامن میں اُترا۔ یہاں اُونچے اُونچے درخت تھے اور ہر درخت کا رنگ گہری تاریک رات کی طرح سیاہ تھا۔ اِن درختوں پر گول گول پھل لٹک رہے تھے اور اُن کی رنگت بھی کالی تھی۔ شاہ آگاہ نے شہزادے کو ایک درخت کے نیچے بٹھایا، پھر ننگی تلوار نکال کر اُس کے پاس رکھی اور کہا :

"دیکھو بیٹا، تمھیں تین دِن اور تین راتیں یہیں اِس درخت کے نیچے بیٹھنا ہے۔ خبردار! کُچھ بھی ہو تُم ہرگز ہرگز اِس جگہ سے نہ اُٹھنا۔ بھُوک لگے تو اِسی درخت کے یہ کالے کالے پھل توڑ کر کھا لینا۔ اِس سے تمہاری بھوک

پیاس مِٹ جائے گی۔ اِس دوران میں طرح طرح کی خوف ناک شکلیں نمودار ہو کر تمہیں ڈرائیں دھمکائیں گی۔ اُن سے بالکل خُوف نہ کرنا اور اپنی جگہ سے ذرا بھی حرکت نہ کرنا۔ اب میں رُخصت ہوتا ہوں۔"

یہ سُنتے ہی شاہ آگاہ رُخصت ہوئے، مگر چالیس قدم پر جا کر کے اور ایک درخت کے پیچھے بیٹھ گئے۔ شہزادہ اسمٰعیل انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا۔ شاہ آگاہ کے نظروں سے اوجھل ہوتے ہی خود بخود شہزادے پر خوف کی حالت طاری ہونے لگی۔ اُونچے اُونچے کالے درخت بھیانک دیووں کی مانند دکھائی دینے لگے۔ ہر طرف ہیبت ناک سنّاٹا طاری تھا، اور کسی پرندے کے بولنے کی آواز بھی نہ آتی تھی۔ شہزادے نے دِل ہی دِل میں اللہ کا پاک نام لینا شروع کر دیا۔ اِس کا اثر یہ ہوا کہ خوف کی حالت آہستہ آہستہ دُور ہو گئی۔

چند گھڑیاں گزارنے کے بعد دفعتاً پہاڑی کی چوٹی پر آگ جلتی نظر آئی، جو دائرے کی شکل میں گھوم رہی تھی۔ شہزادہ سوچنے لگا، یہ کیا چیز ہے؟ پھر وہ پُر اسرار آگ کا گولا پہاڑ سے اُترنے لگا۔ قریب آیا تو دہشت سے شہزادے کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ یہ نہایت لمبا چوڑا سیاہ رنگ کا اژدہا تھا جس کے مُنہ اور دُم سے آگ کے شعلے اُٹھ رہے تھے۔ اُس کا مُنہ ایک غار کی مانند کھلا تھا۔ جوں ہی وہ شہزادے کے قریب آیا، اُس کے پاس رکھی ہوئی تلوار آپ ہی آپ بُلند ہوئی اور اژدہے پر حملہ آور ہونے لگی۔ تلوار کی پہلی ضرب پڑتے ہی آناً فاناً ایک چیخ سُنائی دی اور اژدہا جل کر راکھ ہو گیا۔ اژدہے کے راکھ ہوتے ہی تلوار خود بخود شہزادے کے پاس آ گئی۔

یہ تماشا دیکھ کر شہزادہ اسمٰعیل سخت حیران ہوا اور اب اُس کا ڈر جاتا رہا۔

اِس کے بعد سیاہ رنگ کا ایک دیو زمین کا سینہ شق کر کے نمودار ہوا۔ اِس دیو کی صورت اتنی ڈراؤنی تھی کہ شہزادے کی جگہ کوئی اور ہوتا تو وہیں دم دے دیتا۔ لیکن وہی تلوار پھر چمکی اور دوسرے ہی لمحے میں سیاہ دیو بھی جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ غرض تین دِن اور تین راتیں ایسے ہی تماشے ہوتے رہے۔ کبھی سیاہ ہاتھی شہزادے پر حملہ کرتے، کبھی کالے کالے لنگوروں کے گروہ پہاڑ کی چوٹی سے چیختے چِلّاتے اُترتے اور شہزادے کو وہاں سے ڈرا کر بھگانے کی کوشش کرتے، اور کبھی ہزاروں سانپ، بھیڑیے اور گیدڑ نمودار ہوتے لیکن جُوں ہی شاہ آگاہ کی تلوار چمکتی، جل کر کوئلا ہو جاتے۔

اِس دوران میں شہزادے کو بھُوک اور پیاس نے ستایا۔ اس نے شاہ آگاہ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس درخت سے پھل توڑے اور مزے

لے لے کر کھائے۔ اُن کا ذائقہ عمدہ تھا۔ تین چار پھل کھانے کے بعد شہزادے کی بھوک پیاس سب جاتی رہی۔

تیسرے روز شام کے وقت ایک زرہ پوش سپاہی نمودار ہوا۔ اُس کی کمر سے تلوار بندھی تھی، شانے پر کمان لٹک رہی تھی اور ہاتھ میں خنجر تھا۔ اُس نے آتے ہی شہزادے کو سلام کیا۔ شہزادے نے جواب نہ دیا۔ زرہ پوش اور نزدیک آیا۔ پھر زمین پر بیٹھ کر شہزادے کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے جاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ شہزادہ بھی خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر سلام کیا۔ شہزادے نے اِس مرتبہ بھی جواب نہ دیا۔ آخر سپاہی بولا:

"اے شہزادے، میں جانتا ہوں تُم سلطان مہدی کے بیٹے ہو اور اچھّے اخلاق کے مالک ہو۔ میں حیران ہوں کہ تُم سیّد ہو کر سلام کا جواب نہیں

دیتے۔ بے شک تُم طِلسم جمشید فتح کرنے اور اپنے والد کو اِس طِلسم کی قید سے آزاد کرانے آئے ہو۔ میں تمہیں فتح کی مبارک باد دیتا ہوں۔ یقین رکھو کہ یہ طِلسم تمہارے ہاتھوں پر فتح کرنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ مگر اِس کام میں تمہیں مُجھ سے مشورہ لینا ہوگا اور جو رائے میں تُم کو دوں، اس پر عمل کرنا ہوگا تب کام یابی تمہارے قدم چومنے آئے گی۔ بولو، کیا کہتے ہو؟"

شہزادہ اسمعیل اب بھی خاموش رہا۔ اُسے چُپ دیکھ کر زرہ پوش طیش میں آگیا اور شہزادے کو بُرا بھلا کہنے لگا۔ اب تو شہزادے میں صبر کی تاب نہ رہی۔ بے اختیار تلوار اٹھا کر اُسے مارنے کے لیے لپکا۔ پلک جھپکتے میں زرہ پوش غائب ہوگیا اور شہزادے کی دائیں ٹانگ سیاہ پڑگئی۔ پھر اُس میں سخت درد اور تکلیف ہونے لگی۔ ایسا محسوس ہونے لگا جیسے ٹانگ میں آگ

لگی ہو۔ اُسی وقت شاہ آگاہ درخت کے پیچھے سے نکل کر شہزادے کے پاس پہنچے اور کہا :

"کیا میں نے تمھیں سمجھایا نہ تھا کہ اپنی جگہ سے ہر گز ہر گز جُنبش نہ کرنا۔ پھر تُم نے یہ حماقت کیوں کی؟ وہ تو یوں کہو کہ خُدا نے بڑی خیر کی۔ اگر تُم اُس زرہ پوش کو مارنے کے لیے کُچھ اور آگے بڑھ جاتے تو تمھارا جسم جل کر کوئلا ہو جاتا۔"

شہزادے نے شرم سے سر جھکا لیا۔ اُس کی ٹانگ میں سوزش اور جلن بڑھتی جاتی تھی۔ تب شاہ آگاہ نے کہا : جب تک تُم اپنا پاؤں چشمہ مُبرّا کے پانی میں نہ دھوؤ گے، تکلیف نہ جائے گی۔ یہ پانی ایسا ہے کہ موت کے سوا دُنیا کی ہر تکلیف کو دُور کر دیتا ہے۔ لیکن افسوس! کہ یہ چشمہ ایک کانے دیو کی حفاظت میں ہے۔ یہ دیو دِن رات کی چوبیس ساعتیں چشمے پر

پھرا دیتا ہے اور ایک لحظے کے لیے بھی وہاں سے نہیں ہٹتا۔ آج تک کوئی انسان اور جِن اُس چشمے سے کانے دیو کی اجازت کے بغیر پانی لینے نہیں پایا۔"

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ عبد الخیر جِن آیا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک آتشیں گُرز تھا۔ وہ اُس نے شہزادے کے قدموں میں ڈال دیا اور کہا :

"یہ ہے وہ گُرز جو ہزار برس سے امانت کے طور پر محفوظ تھا۔ اِسی گُرز سے اُس کانے دیو کا ہلاک ہونا مقرّر کیا گیا ہے۔ اِسے اُٹھانا ہر آدمی کے بس میں نہیں۔ وہی اٹھا سکتا ہے جو اُس دیو کو مارے گا۔"

شہزادے نے بسم اللہ کہہ کہ آتشیں گُرز اُٹھا لیا۔ پھر شاہ آگاہ نے کوئی اسم پڑھا۔ اُسی وقت ایک عالی شان تخت نمودار ہوا۔ اُنھوں نے شہزادے کو تخت پر بٹھایا اور دیو کو ہلاک کرنے چلے۔ راستے میں شہزادے نے پوچھا :

"کیا کانے دیو کو عبدالخیر جن ہلاک نہیں کر سکتا؟"

شاہ آگاہ نے مُسکرا کر گردن ہلائی اور جواب دیا:

"نہیں۔ ہمارا علم بتاتا ہے کہ اُسے کوئی جِن ہلاک کر سکتا ہے نہ کوئی دیو، اور نہ وہ کسی اور آدم زاد کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ اُس کی ہلاکت صرف تمہارے ہاتھ سے ہوگی۔"

یہ سُن کر اسمٰعیل نے دِل ہی دِل میں خُدا کو یاد کیا اور اپنی فتح کی دُعا مانگی۔ اتنے میں وہ جادُوئی تخت اُونچے اُونچے پہاڑوں کے درمیان اُترنے لگا۔ شہزادے نے دیکھا کہ ایک عظیم الشّان چشمہ اُن پہاڑوں سے جاری ہے جس کا پانی پگھلی ہوئی چاندی کی طرح بہہ رہا ہے اور اِس پانی میں عجیب سی بُو اُٹھ رہی ہے۔ شہزادے نے محافظ دیو کو دیکھنے کے لیے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی، مگر وہ کہیں نظر نہ آیا۔ اُن کا تخت چشمے کے کنارے اُترا۔ شاہ آگاہ

وہیں بیٹھے رہے اور اُنھوں نے شہزادے کو پانی میں جا کر اپنی ٹانگ دھونے کا اشارہ کیا۔ جہاں تک شہزادے کی نگاہ کام کرتی تھی، پانی ہی پانی تھا۔ جوں ہی وہ تخت سے اُتر کر پانی کی طرف چلا، ناگہاں وہ خوف ناک دیو پانی میں سے اُبھرا۔ اُس کا قد آسمان سے باتیں کرتا تھا اور دونوں بازو پچاس پچاس ہاتھ لمبے تھے۔ شکل ایسی ہیبت ناک تھی کہ شہزادہ تھرّا گیا۔ اُس کی پیشانی پر ایک ہی آنکھ نظر آئی جو مشعل کی مانند روشن تھی۔

کانے دیو نے ہاتھ بڑھایا تاکہ شہزادے کو پڑے۔ مگر اُس نے فوراً ہی سنبھل کر اُسی شمشیر سے وار کیا۔ تلوار دیو کے پنجے پر پڑی اور اُس کا پنجہ کچ سے کٹ کر پانی میں جا گِرا۔ دیو نے ہولناک چیخ ماری۔ اُس کے مُنہ سے شُعلے نکلنے لگے۔ اُس نے دوسرا ہاتھ آگے بڑھایا تو بہادر شہزادے نے اُسے بھی ایک ہی ضرب میں قلم کیا۔ لہو کا ایک فوّارہ دیو کے دونوں کٹے

ہوئے ہاتھوں سے جاری ہُوا۔

پھر شہزادے نے اُچھل کر اُس کی آنکھ میں تلوار ماری۔ یہ وار بھی کارگر ثابت ہُوا۔ دیو پانی میں گِرا۔ اُس کے خون سے پانی کا رنگ سُرخ ہو گیا اور پانی میں جیسے طوفان آ گیا۔ ایسا معلوم ہونے لگا کہ ہزاروں مچھلیاں تڑپ رہی ہیں۔ کانا دیو دیر تک پانی میں تڑپتا رہا۔ آخر جہنّم کو روانہ ہوا۔ اُس کے مرتے ہی پانی یکایک پُر سکون ہو گیا اور اپنی پہلی رنگت پر واپس آ گیا۔ شہزادے نے اطمینان سے اپنا پاؤں پانی میں دھویا۔ ایک دم ساری جلن اور سوزش جاتی رہی۔ شاہ آگاہ نے مبارک باد دی اور کہا :

"تھوڑا سا پانی چمڑے کے اِس مشکیزے میں بھر کر ساتھ لے چلو۔ شاید اِس کی ضرورت پھر کبھی پڑے۔ "شہزادے نے ایسا ہی کیا۔

اب یہاں سے وہ پھر اُسی جزیرے کی جانب واپس چلے جہاں کالے کالے

درختوں پر کالے پھل لٹکتے تھے۔ شہزادے کو پھر وہی وظیفہ پڑھنا تھا جس
میں پہلے ناکام رہا تھا۔ شاہ آگاہ نے اُسے اُسی درخت کے نیچے بٹھایا اور
ایک دائرہ اُس کے چاروں طرف اپنی انگلی سے کھینچ کر کہا:

"اے شہزادے اِس طِلسم کی فتح تمہاری ہمّت پر مُنحصر ہے۔ ڈرو گے،
تھرّاؤ گے تو کام خراب ہو گا۔ تمھارے وظیفے میں خلل آئے گا اور بلائیں
تُم پر مُسلَّط ہوں گی اور یوں طِلسم کی فتح میں دیر ہوتی جائے گی۔ یاد رکھو! اِس
طِلسم کو ہر طرف سے شیطان اور اُس کی اولاد نے گھیر رکھا ہے۔ ہزار
طرح، ہزار شکل سے تمہیں فریب دیں گے۔ تُم اِن کے فریب میں
گرفتار نہ ہونا۔ جب تم وظیفہ پُورا کر لو گے تو سات آدمی، سات ہاتھیوں پر
سوار ہو کہ تمھارے پاس آئیں گے۔ تُم کسی سے بات نہ کرنا۔ آخر میں
ایک اور آدمی ہاتھی پر بیٹھ کر آئے گا۔ اس کا ہاتھی باقی تمام ہاتھیوں سے قد

میں اونچا ہو گا اور وہ شخص اپنے سر پر سونے کا تاج پہنے ہو گا۔ اس تاج کے سات کنگرے ہوں گے۔ وہ تمہیں آن کے سلام کرے گا۔ اُس کے سلام کا جواب دینا۔ وہ پوچھے گا، کیا چاہتے ہو؟ تُم کہنا، میں لوحِ زُحل کے سوا اور کُچھ نہیں مانگتا۔ اُس کے بعد جو کُچھ وہ کہے، اُس پر عمل کرنا۔ جاؤ، اب اپنا عمل شروع کرو۔"

یہ ہدایات دے کہ شاہ آگاہ رُخصت ہوئے اور چالیس قدم کے فاصلے پر، ایک درخت کے پیچھے بیٹھ کر شہزادے کو دیکھنے لگے۔ اسمٰعیل نے پہلے کی طرح وظیفہ پڑھنا شروع کیا۔

کُچھ عرصے بعد عجیب عجیب ڈراوَنی شکلوں کی بلائیں نمودار ہونے لگیں۔ کوئی بلا قہقہے لگاتی اور کہتی آہا! مُدّت بعد آدمی کی صورت نظر آئی۔ اِس کا گوشت کتنا لذیذ ہو گا۔ دوسری بلا آتی، وہ کہتی آہا! اِس آدم زاد کا خون کتنا

مزے دار ہوگا۔

یکایک ایک دیو ہاتھ میں تلوار لیے آیا۔ تلوار خُون میں بھری تھی۔ دیو کے بائیں ہاتھ میں کٹے ہوئے انسانی سر تھے۔ اُن کی گردنوں سے بھی لہو کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر شہزادے کے ہوش اُڑے۔ دیو نے گرج کر کہا:

"اے بے وقوف آدم زاد! ہوشیار ہو جا کہ تیری قضا آن پہنچی۔ اب تُجھے کوئی طاقت میرے ہاتھ سے بچا نہیں سکتی۔ دیکھ لے کہ میں نے اِس تلوار سے کتنے آدم زادوں کی گردنیں آج کاٹی ہیں۔ اب تیری باری ہے۔"

یہ کہہ کر دیو نے تلوار گھمائی۔ شہزادے نے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں بے پناہ شور بُلند ہوا جیسے پہاڑ آپس میں ٹکرا رہے ہوں۔ آنکھیں کھول کر دیکھا تو وہاں کُچھ نہ تھا۔

تین دِن، تین راتیں مسلسل وظیفہ پڑھنے کے بعد جب چوتھے روز سورج مشرق سے نکلا تو شہزادے کے کانوں میں ہاتھیوں کے چنگھاڑنے کی آوازیں آئیں۔ وہ چوکنّا ہو کر اُدھر دیکھنے لگا۔

تھوڑی دیر بعد گرد و غُبار کا ایک بادل اُسے اپنی جانب بڑھتا نظر آیا۔ اُسی بادل میں سات سیاہ ہاتھی آگے پیچھے چلے آرہے تھے۔ اُن کے اوپر کالے کلوٹے آدمی، سیاہ لباس پہنے بیٹھے تھے۔ شہزادے کے پاس آن کر یہ ہاتھی رُکے اور اُن کے سواروں نے باری باری شہزادے کو سلام کیا۔ اُس نے شاہ آگاہ کی ہدایت کے مطابق کسی کو جواب نہ دیا۔ وہ آپس میں کہنے لگے:

"یہ شہزادہ کس قدر گُستاخ ہے کہ سلام کا جواب بھی نہیں دیتا۔ اِسے سزا دینی چاہیے، بولو، کیا سزا دیں؟" دوسرے نے قہقہہ لگا کر کہا کہ اِس کی

سزا یہی ہے کہ ہاتھی کے پاؤں کے نیچے کُچل دیں۔ سب نے کہا، ہاں۔ یہی سزا مُناسب ہے۔ تب اُن ساتوں حبشیوں نے ہاتھیوں کو آگے بڑھایا۔ شہزادے کو ایسا لگا کہ سات پہاڑ اُسے کُچلنے کے لیے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ایک لمحے کے لیے اُسے محسوس ہوا کہ موت نے آن گھیرا مگر دوسرے ہی لمحے فضا میں بہت دُور ایک اور ہاتھی کے چنگھاڑنے کی آواز سُنائی دی۔ یہ آواز سُنتے ہی ساتوں ہاتھی اپنی اپنی جگہ یُوں رُک گئے جیسے زمین نے اُن کے پاؤں پکڑ لیے ہوں۔

شہزادے نے دیکھا کہ ایک کالا ہاتھی، جس کا قد اُن تمام ہاتھیوں سے اونچا تھا، دوڑتا ہوا آ رہا ہے۔ اُس کے اوپر جو سیاہ فام آدمی بیٹھا ہے، اُس کے سر پر سونے کا جھلملاتا ہوا تاج ہے جس کے سات کنگرے ہیں۔ اُس کے آتے ہی بقیہ سات ہاتھیوں نے اپنی اپنی سونڈیں اُٹھا کر سلامی دی

اور ادب سے پرے ہٹ گئے۔ آنے والے نے کہا :

"شہزادہ اسمٰعیل کو سلام ہے۔ کہو، کیا کہتے ہو؟"

"اے شخص، میرا بھی تُجھ کو سلام۔"شہزادے نے جواب دیا۔ "مُجھے لَوحِ زُحل کی ضرورت ہے۔ بس یہی درخواست کرتا ہُوں۔"

"لَوحِ زُحل لے کے کیا کرے گا شہزادے؟"اُس نے پُوچھا۔

"طِلسم جمشید سے اپنے والد سُلطان مہدی کو آزاد کراؤں گا۔"

"یہ کام بہت خطرناک ہے، شہزادے۔ اِس طِلسم کو فتح کرنے بہت لوگ آئے، لیکن سب مارے گئے۔ مُجھے تیری جوانی پر ترس آتا ہے۔ اب بھی وقت ہے، واپس چلا جا اور اِس طِلسم کو فتح کرنے کا خیال ذہن سے نکال دے ورنہ پچھتائے گا۔"

"خُدا اور اُس کا رسول میرا نگہبان ہے۔" شہزادے نے کہا۔ "جس کام کے لیے میں نے اپنا گھر بار، عزیز رشتے دار چھوڑے ہیں، اب اُسے مکمّل کر کے ہی چھوڑوں گا، ورنہ اپنی جان دے دوں گا۔"

"آفرین ہے اے شہزادے، تیری ہمّت اور حوصلے پر!" اُس شخص نے کہا۔ "میں تو تُجھے آزماتا تھا۔ اب یقین ہوا کہ تو دلیر ابنِ دلیر ہے۔ سچ ہے شیروں کے بیٹے شیر ہی ہوا کرتے ہیں۔ اب جو کُچھ میں کہوں، اُسے غور سے سُن اور خوب یاد رکھ۔ اِس درخت کو جس کے سائے میں اِس وقت تُو بیٹھا ہے، اپنی قوّت سے اُکھاڑ ڈال۔ جب تُو یہ درخت جڑ سے اُکھیڑ ڈالے گا تو اِس کے اندر سے ایک غار نمایاں ہو گا۔ اُس غار میں چلے جانا۔ اپنے آپ کو ایک لق و دق ویران صحرا میں پائے گا۔ اُسی صحرا میں سیدھے شمال کی جانب چلتے جانا۔ کئی کوس طے کرنے کے بعد جنگل دِکھائی دے گا۔

اِس جنگل میں ایک مست ہاتھی نظر آئے گا جو اپنی سُونڈ سے درختوں کو اُکھاڑتا ہو گا۔ جو وظیفہ تُو نے تین دِن تین رات پڑھا ہے وہی پڑھ کر اپنے سینے پر دم کر لینا اور بے خوف ہو کر اُس ہاتھی کے قریب چلے جانا۔ وہ غضب ناک ہو کر تُجھ پر حملہ کرے گا۔ پھرُتی سے اُس کی سُونڈ پکڑ کر جھٹکا مارنا۔ سُونڈ اُس کے جسم سے الگ ہو جائے گی اور ہاتھی اُسی وقت جل کر راکھ کے ڈھیر میں بدل جائے گا۔ اللہ کا نام لے کر راکھ کے اُس ڈھیر میں ہاتھ ڈالنا۔ لَوحِ زُحل اور شمشیرِ جمشیدی (جمشید کی تلوار) اُس میں سے تیرے ہاتھ آئے گی۔ خوب یاد رکھ! اگر تُو اِس ہاتھی کی سُونڈ الگ نہ کر سکا تو وہ تُجھے مار ڈالے گا۔"

اِن الفاظ کے ساتھ ہی تمام ہاتھی غائب ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد شاہ آگاہ شہزادے کے پاس آیا۔ عبدالخیر جِن بھی اُس کے ساتھ تھا۔ دونوں نے

یہ مرحلہ کام یابی سے طے کرنے پر شہزادے کو شاباش اور مبارک باد دی۔

اب شہزادے نے اُٹھ کر اس عالی شان درخت کی جانب دیکھا جسے اُکھاڑنے کی ہدایت اُس شخص نے کی تھی۔ شہزادہ حیران تھا کہ کہاں وہ اور کہاں یہ درخت! اُسے تو ہزار آدمی بھی چاہیں تو زور لگا کر جڑ سے اُکھاڑ نہیں سکتے۔ مایوسی سے شاہ آگاہ کی طرف دیکھا۔ اُنھوں نے ہنس کر کہا:

"اے شہزادے، اِس درخت کی بڑائی اور بُلندی پر نگاہ نہ کر۔ اِسے چھوئی موئی کا پودا سمجھ کر اُکھیڑ لے۔ ہاتھ بڑھا۔ آگے خُدا مدد کرنے والا ہے۔"

شہزادے نے اللہ اکبر کا نعرہ مار کر زور کیا اور درخت کو جڑ سے اُکھاڑ کر دُور پھینک دیا۔ جہاں سے درخت اُکھڑا، وہاں ایک گہرا تاریک غار دِکھائی دیا۔ شاہ آگاہ اور عبدالخیر جِن نے اِس قوّت اور ہمّت پر آفرین کہی۔ شہزادے نے اُنھیں بھی اِس غار میں اُترنے کی دعوت دی۔ اُنھوں نے کانوں پر ہاتھ

رکھا اور بولے :

"اگر ہم تمہارے ساتھ گئے تو جل کر راکھ ہو جائیں گے۔ ہاں، طِلسم کا جتنا حصّہ تُم فتح کر لو گے، ہم وہاں آسانی سے پہنچ سکیں گے۔ اب تُم اپنی منزل پر روانہ ہو جاؤ اور ہم یہیں ٹھہر کے تمہاری کام یابی کی دُعا کرتے ہیں۔"

شہزادے نے انہیں سلام کیا اور آنکھیں بند کر کے اُس اندھے اور گہرے غار میں چھلانگ لگا دی جس کی تہہ اُسے نظر ہی نہ آتی تھی۔ جوں ہی وہ غار میں کُودا، اُسے یُوں لگا جیسے آسمان کی بلندیوں سے زمین کی طرف پھینک دیا گیا ہے۔ وہ قلابازیاں کھاتا نیچے ہی نیچے گِرتا چلا جا رہا تھا۔

آخر اُس کے پاؤں زمین سے لگے۔ آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو ایک وسیع صحرا میں پایا۔ ہر طرف ریت کے ٹیلے ہی ٹیلے تھے۔ پانی کا کوسوں میلوں تک نام نہ تھا۔ درخت تھے لیکن ان پر نہ پھُول نہ پھل۔ گرمی اتنی

شدید کہ خُدا کی پناہ۔

شہزادہ دو قدم چلا کہ پسینے چھُوٹ گئے۔ پیاس کے مارے تالو چٹخنے لگا اور زبان پر کانٹے سے اگ آئے۔ پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ مگر پانی وہاں کہاں تھا۔ آخر کُچھ فاصلے پر گیا۔ دیکھا کہ ایک ہاتھی جس کا قد عام ہاتھیوں سے دُگنا تھا، مستی کے عالم میں جھُومتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ کبھی کبھی جوش میں آ کر درختوں کو اپنی سونڈ میں لپیٹ کر اُکھاڑتا ہے۔ شہزادے کو دیکھتے ہی ہاتھی رُک گیا اور بُری طرح چنگھاڑنے لگا۔ پھر اُس نے اپنا سر ایک چٹّان پر دے مارا۔ کئی کئی من وزنی پتھرّ اُڑ کر آسمان کی طرف گئے، نیچے آ کر دھماکوں سے زمین پر گِرے اور ریزہ ریزہ ہو گئے۔ تین چار مرتبہ ہاتھی نے یہی حرکت کی۔ شہزادے نے دِل ہی دِل میں اسمِ اعظم پڑھنا شروع کر دیا تھا۔

یکایک وہ مست ہاتھی سُونڈ اُٹھا کر شہزادے کی طرف دوڑا۔ اُس کے قدموں کی دھمک سے زمین کانپنے لگی۔ قریب آ کر اُس نے شہزادے کو جکڑنے کے لیے سُونڈ بڑھائی۔ اُس نے لپک کر دونوں ہاتھوں میں سُونڈ پکڑ لی اور ایسا جھٹکا مارا کہ سُونڈ ہاتھی کی کھوپڑی سے اُکھڑ کر اُس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اُسی وقت اُس کے پہاڑ جیسے بدن میں ایسی آگ لگی کہ تمام صحرا روشن ہو گیا۔

شہزادے نے دیکھا کہ صحرا کے ہر درخت پر تیر کمانوں، تلواروں اور خنجروں سے مسلّح سپاہی بیٹھے ہیں اور شہزادے کو شاباش دے رہے ہیں لیکن کوئی درخت سے نیچے نہیں اُترتا تھا۔ ساری رات شہزادہ اُسی صحرا میں گھومتا رہا اور اسمِ اعظم پڑھتا رہا۔

صُبح ہوئی تو ایک نیا منظر اُس کے سامنے تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اُس ویران

لق و دق صحرا کی جبکہ لہلہاتا ہوا ایک پُر فضا باغ ہے. جس میں جا بجا چشمے اور نہریں جاری ہیں۔ درخت پھولوں اور پھلوں سے لدے کھڑے ہیں اور شاخوں پر طرح طرح کے حسین پرندے چہچہا رہے ہیں۔ درختوں پر پناہ لیے ہوئے وہ مسلّح سپاہی نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ شہزادے نے ہاتھی کی راکھ کا ڈھیر دیکھا جس کی اونچائی آدمی کے قد کے برابر تھی۔ اُس نے اِس ڈھیر میں ہاتھ ڈالا۔ راکھ ابھی تک گرم تھی۔ تھوڑی سی تلاش کے بعد دونوں چیزیں شہزادے کے ہاتھ آ گئیں۔ لَوحِ زُحل اور شمشیرِ جمشیدی۔

لَوحِ زُحل فولاد کی بنی ہوئی تھی اور اُس کے چاروں طرف سونے کی سلاخیں لگی ہیں۔ جب اُس پر سورج کی روشنی پڑتی تو ستاروں کی طرح چمکنے لگتی۔ شمشیرِ جمشیدی بھی فولاد کی تھی اور اُس میں اتنی لچک تھی کہ جب چاہو موڑ کر

دوہرا کر لو۔

اِن چیزوں کو حاصل کرتے ہی شہزادے نے خُدا کا شُکر ادا کیا اور سر سجدے میں رکھا۔ اُسی وقت آسمان سے شاہ آگاہ کا تخت اُترا۔ عبد الخیر جِن بھی شاہ آگاہ کے ساتھ تھا۔ دونوں نے لَوحِ زُحل اور شمشیرِ جمشیدی پا لینے پر شہزادے کو مبارک باد دی۔ اب شاہ آگاہ نے شہزادے سے کہا :

"طِلسم کی فتح کا پہلا مرحلہ مکمّل ہوا۔ اب لَوحِ زُحل پر نگاہ ڈالو اور دیکھو کہ کیا حُکم دیا جاتا ہے۔"

جمشید کا طِلسمی پیالہ

شہزادہ اسمٰعیل نے لَوح پر نظر ڈالی۔ ایک دم اُس پر چمکتے ہوئے سفید حرفوں میں عبارت ظاہر ہوئی۔ لکھا تھا:

"اے لَوحِ زُحل اور شمشیرِ جمشیدی کے مالک! خُدا نے چاہا تو طِلسم تیرے ہی ہاتھ پر فتح ہو گا۔ اب تُجھے جامِ جم (جمشید کا پیالہ) کی ضرورت ہے۔ یہ ایسا پیالہ ہے جو جمشید بادشاہ کے لیے جادُوگروں نے ہزار برس کی محنت

کے بعد بنایا تھا۔ اُس کی یہ خاصیت ہے کہ جس شخص کو دیکھنا اور اُس کا حال جاننے کی خواہش ہو، اسمِ اعظم پڑھ کر پیالے پر پھونک مارے۔ یہ پیالہ اندر سے خود بخود روشن ہو جائے گا اور وہ شخص روئے زمین پر کہیں بھی ہو، اُس پیالے میں صاف نظر آئے گا۔ اب تُو اُسی چشمے پر جا جہاں تُو نے کانے دیو کو ہلاک کیا تھا۔ چشمے کے درمیان میں زبردست بھنور پڑتا ہوا نظر آئے گا۔ جامِ جم اُسی بھنور میں ہے۔ تُجھے چاہیے کہ جوں ہی جامِ جم پانی کی سطح پر نمودار ہو، یہ لَوح اُس پر پھینک دے۔ اگر لَوح جام تک نہ پہنچے تو پھر دونوں چیزیں غائب ہو جائیں گی اور تُو مُدّت تک حیران پریشان مارا مارا پھرے گا۔ اِس لیے ضروری ہے کہ لَوح بہت ہوشیاری سے جام پر پھینکی جائے۔ لَوح جام سے ٹکراتے ہی اُسے کھینچ کر تیرے پاس لے آئے گی۔ اِس کے بعد اُسی چشمے میں کود پڑنا اور ضرورت ہو تو لَوح دیکھ کر

ہدایت حاصل کرنا۔"

شہزادے نے لَوح کے مضمون سے شاہ آگاہ اور عبدالخیر جِن کو آگاہ کیا۔ اُنھوں نے کہا۔ "اُس چشمے تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ ابھی پلک جھپکتے میں وہاں پہنچائے دیتے ہیں۔ لو، ذرا آنکھیں بند کرو اور جب تک ہم نہ کہیں ہرگز ہرگز نہ کھولنا۔" شہزادے نے آنکھیں بند کیں۔ دوسرے ہی لمحے شاہ آگاہ کی آواز کان میں آئی۔ "آنکھیں کھول دو۔" شہزادے نے تعمیل کی اور اپنے آپ کو اُسی چشمے کے کنارے کھڑے پایا۔ دائیں بائیں نظر کی۔ شاہ آگاہ اور عبدالخیر جِن دونوں غائب تھے۔

شہزادہ سمجھ گیا کہ وہ اپنا فرض ادا کر کے رُخصت ہُوئے۔ اگر ضرورت سمجھیں گے تو پھر مدد کے لیے آجائیں گے۔ یہ سوچ کر اُس نے چشمے پر نظر کی۔ درمیان میں ایک خوفناک بھنور پڑتا دکھائی دیا۔ پانی اِس زور سے چکّر کھا

رہا تھا کہ شہزادے کے ہوش اُڑ گئے اور سر چکرانے لگا۔ اتنے میں بھنور کے اندر سے کوئی چیز زور سے چمکی جیسے سورج نکل آیا۔ شہزادے نے غور سے دیکھا تو یہ سُرخ رنگ کا ایک بڑا پیالہ تھا۔ روشنی کی کرنیں اُسی میں سے پھُوٹ رہی تھیں۔ شہزادے نے خُدا کو یاد کر کے لَوح زُحل ہاتھ میں لی اور جامِ جم کی جانب پھینک دی۔ اُس نے دیکھا کہ لَوح پانی میں گری اور نظروں سے جام سمیت اوجھل ہو گئی۔

شہزادے کا کلیجا بیٹھ گیا۔ اس نے خیال کیا کہ نشانہ چُوک گیا اور شاید لَوح، جام تک نہیں پہنچ سکی۔ مگر قسمت اُس کے ساتھ تھی۔ اُسی لمحے بجلی سی کوندی اور لَوح جام کو اپنے ساتھ لیے ہوئے بھنور سے نکل کر شہزادے کے قدموں میں آن گری۔ اُس نے جھپٹ کر اُن دونوں کو اُٹھا لیا۔

لَوح کو جیب میں رکھ کہ اُس نے اس حیرت انگیز پیالے کو دیکھا جس پر

عجیب عجیب نقش و نگار بنے ہوئے تھے، اور ایسی زبان میں کُچھ لکھا ہوا تھا جسے شہزادہ اسمٰعیل پڑھنا نہیں جانتا تھا۔ لَوح نے جامِ جم کی جو خاصیتیں بتائی تھیں، وہ شہزادے کے ذہن میں تازہ تھیں۔ اس نے اُسے آزمانے کا ارادہ کیا۔ پہلے اسمِ اعظم پڑھ کر پیالے پر پھُونک ماری۔ پیالہ ایک دم چاند کی مانند اندر سے روشن ہو گیا۔ شہزادے نے کہا:

"اے جامِ جم! میں اپنے والد سُلطان مہدی کو دیکھنے کا خواہش مند ہوں کہ وہ کہاں ہیں؟ اور کِس حال میں ہیں۔"

ابھی یہ الفاظ شہزادے کے مُنہ سے نکلے ہی تھے کہ پیالے کے اندر سے روشنی غائب ہو گئی اور اس کی جگہ صحرا کا ایک منظر نمودار ہوا۔ شہزادے نے حیرت سے یہ منظر دیکھنا شروع کیا۔ یہ ایک وسیع صحرا تھا جس میں سائے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی، ریت ہی ریت تھی یا

ببول کی جھاڑیاں۔ کہیں کہیں بڑی بڑی ریگستانی چھپکلیاں بھی دکھائی دیں۔

اِس کے بعد یہ منظر غائب ہوااور شہزادے نے آدمیوں کا ایک قافلہ دیکھا وہ اِس لق و دق صحرا میں بھٹک رہا تھا۔ اُن سب کے کپڑے پھٹ چکے تھے۔ سروں اور مُنہ پر ریت جمی ہوئی تھی۔ بھُوک اور پیاس کے ہاتھوں سبھی زندگی سے بیزار نظر آتے تھے۔ اُن کے درمیان میں ایک شخص آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا چل رہا تھا۔ اُس کی گردن جھُکی ہوئی ہوتی۔ اتنے میں اُس نے سر اُٹھایا تو شہزادہ اسمٰعیل نے پہچاننے میں ذرا دیر نہ لگائی۔ یہ اس کے والد سُلطان مہدی تھے۔ شہزادہ اپنے والد کو اِس حال میں دیکھ کر تڑپ گیا اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ پھر اُس نے جامِ جم اپنے کُرتے کی آستین میں چھپا لیا۔

تھوڑی دیر بعد جی کُچھ سنبھلا تو اُس نے پھر جامِ جم نکالا اور اِس مرتبہ اس

کے ذریعے اپنی والدہ اور دوسرے لوگوں کا حال معلوم کیا۔ والدہ غمگین نظر آئیں۔ شاید انہیں شہزادہ اسمٰعیل کی یُوں گُم شُدگی پر صدمہ ہوا تھا۔ ابھی شہزادہ یہ تصویر دیکھ ہی رہا تھا کہ عبد الخیر جِن کی صورت پیالے میں نظر آئی۔ وہ شہزادے کی والدہ کے پاس پہنچ کر اُن سے کُچھ کہہ رہا تھا۔ جِن نے شاید انہیں تمام حالات سے آگاہ کر دیا تھا۔ شہزادے نے دیکھا کہ اب والدہ کے چہرے پر اطمینان اور سُکُون ہے۔ اُسے بھی خوشی ہوئی اور اُس نے آگے بڑھنے کے لیے لَوحِ زُحل بغل سے نکال کر دیکھی۔ فوراً عبارت نمودار ہوئی :

"اے لَوحِ زُحل کے مالک! جامِ جم کو اِسی چشمے کے پانی میں پھینک دے۔ یہ کشتی بن جائے گا۔ اِس پر سوار ہو۔ یہ تُجھے شارستان میں پہنچا دے گی۔ یہ عجیب و غریب شہر ہے اور یہاں سبز رنگ کی حکومت ہے۔

لوگوں کے چہرے، اُن کے لباس مکان اور بازار، غرض ہر شے کا رنگ سبز ہو گا۔ گھبرانے یا خوف زدہ ہونے کی حاجت نہیں۔ کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو لَوح سے مدد لینا۔"

شہزادے نے اُس پر عمل کیا۔ جُوں ہی خُدا کا نام لے کر جامِ جم چشمے میں پھینکا، وہ ایک خوش نُما کشتی بن گیا۔ شہزادہ اُس کشتی میں بیٹھا تو وہ خود بخود تیزی سے پانی میں بہتی ہوئی ایک جانب جانے لگی۔ تین دِن، تین راتیں سفر کرنے کے بعد دُور سے ایک شہر کے آثار دکھائی دیے۔ شہزادہ سمجھ گیا کہ یہی شارستانِ سبز ہو گا۔ لَوح نکال کر اُس سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"تمھارے سامنے جو شہر ہے اُس کی دوسری جانب ایک بُلند پہاڑ ہے۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچو۔ وہاں ایک گول چشمہ بہتا دکھائی دے گا۔ اُس چشمے کے پانی سے جامِ جم بھر کر سو مرتبہ اسمِ اعظم پڑھنا۔ پانی میں سے ایک بُڈّھا نکلے

گا۔ اُس سے کہنا کہ اے رحتائل، اگر اِس طِلسم کی فتح میری قسمت میں ہے تو اِس قدر پانی اِس شہر پر برسے کہ لوگ عاجز ہو کر میری اِطاعت قبول کریں اور میرا حُکم مانیں۔ یہ سُن کر وہ بُڈّھا گردن ہلا کر چشمے میں واپس چلا جائے گا۔

اِس کے بعد شہر میں آسمان سے پانی برسنا شروع ہو گا۔ آخر شہر کے لوگ تمھیں فقیر سبز پوش سمجھ کر دوڑے آئیں گے اور بارش بند کیے جانے کی درخواست کریں گے۔ تُم کہنا کہ اِس شرط پر درخواست قبول کرتا ہوں کہ شہر کا حاکم ماہُون جِن خود آکر اِلتجا کرے۔ ماہُون جِن خود آئے گا۔ اُس سے کہنا کہ میں طِلسم جمشیدی فتح کرنے آیا ہوں اِس لیے میری اطاعت قبول کر۔ وہ دلیل مانگے گا۔ اُسے لَوحِ زُحل اور جامِ جم دِکھلانا۔ جب وہ اطاعت کا اقرار کرے تو جامِ جم میں بھرا ہوا پانی چشمے میں گرا دینا۔

اُسی وقت بارش بند ہو جائے گی۔ ماہُون خوش ہو کر تُم سے کہے گا کہ میں اپنی بیٹی سبز پری کی شادی تُم سے کرنا چاہتا ہوں۔ اُس کی یہ درخواست بھی قبول کرلینا۔"

شہزادے نے اِن تمام ہدایات پر عمل کیا۔ ماہُون جن نے اِطاعت قبول کی اور اپنی بیٹی سبز پری سے شہزادے کی شادی کر دی۔ کئی روز تک شارستان میں خوب جشن رہا۔ اِس کے بعد شہزادہ ماہُون جِن اور اُس کی فوج کے ساتھ آگے روانہ ہوا۔ راستے میں غولان نام کا ایک بیابان آیا۔ اُس بیابان میں وحشیوں کی آبادیاں تھیں جو بے حد خوں خوار اور دلیر تھے۔ اِکّا دُکّا آدمی یا جِن اُدھر سے گزرتے ہوئے گھبراتا تھا۔

جب شہزادے کا لشکر اِس بیابان میں پہنچا تو رات سر پر آ گئی تھی۔ وہیں پڑاؤ کیا۔ آدھی رات کے وقت لشکر پر وحشیوں نے حملہ کیا۔ ایک ہنگامہ

برپا ہو گا۔ وحشیوں نے کئی لشکری کاٹ کر ڈال دیے۔ غُل غپاڑے سے کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ آخر شہزادے نے شمشیرِ جمشیدی نکالی اور وحشیوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے کُشتوں کے پُشتے لگا دیے۔ جِدھر نگاہ جاتی تھی، لاشوں کے انبار نظر آتے تھے۔ آخر وحشی ڈر کر بھاگے اور ایک پہاڑی غار میں پناہ لی۔

شہزادے نے اپنی فوج کے ساتھ اُن کا پیچھا کیا اور غار کے پاس آکر تلوار کے ہاتھ دِکھانے شروع کیے۔ وحشیوں کے سر دھڑوں سے کٹ کٹ کر گِرنے لگے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تھوڑی دیر ہی میں سب کا صفایا ہو جائے گا۔ لیکن اب ایک عجیب بات ہونے لگی۔ جوں ہی ایک وحشی قتل ہوتا، اُس کے بجائے دو وحشی غار سے نکل کر آتے اور جنگ کرنے لگتے۔ تلوار چلا چلا کر شہزادے کے بازو شل ہونے لگے اور وحشیوں کی

تعداد ابھی اتنی ہی تھی۔

اچانک آسمان سے ایک زنّاٹے کی آواز آئی۔ شہزادے نے گردن اُٹھائی۔ کیا دیکھا کہ ایک شاندار تخت اُتر رہا ہے۔ اُس پر شاہ آگاہ سوار تھے۔ شہزادہ اُنھیں دیکھ کر خوش ہوا اور آگے بڑھ کر قدم چُومے۔ اُنھوں نے محبّت سے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا :

"شہزادے، لَوحِ زحل سے مشورہ کیوں نہیں کرتے ؟"

شہزادے نے لَوح دیکھی تو یہ عبارت نمودار ہوئی :

"اے لَوح کے مالک! جب تو بیابانِ غولان میں پہنچے گا تو آدھی رات کو وحشی تیرے لشکر پر دھاوا بولیں گے۔ تُجھے چاہیے کہ اپنی جگہ سے بالکل حرکت نہ کرے۔ وحشیوں کے سردار کا نام لاذق ہے۔ جامِ جم پانی سے

پھر کہ اُس کے سر پر چھڑک دے۔ لاذق کے بدن سے آگ نکلے گی اور تمام

وحشیوں کو جلا کر خاک کر دے گی۔ اگر تو اُن سے لڑے گا تو وہ تجھے اپنے غار

کی جانب لے جائیں گے۔ پھر تُو قیامت تک انہیں قتل کرتا رہے گا تو اُن

کی تعداد میں کُچھ کمی نہ ہوگی۔ اب اُس وقت علاج یہ ہے کہ جامِ جم کا عکس

اُن پر ڈال۔ وہ یہ جام تُجھ سے طلب کریں گے۔ تو تو کہنا کہ تمھارے

سردار لاذق کو دوں گا۔ لاذق کے آنے تک اس چشمے کے پانی سے جام

بھر لینا جو غار کے دہانے پر ہے۔ لاذق کے سر پر تین سینگ ہیں۔ جب وہ

جام لینے کے لیے آئے، اُس پر پانی اُنڈیل دینا۔ اُسی وقت۔ وحشی جل کہ

کوئلا ہو جائیں گے۔"

اُدھر شاہ آگاہ رُخصت ہوئے، اور شہزادے نے جامِ جم کی برکت سے

وحشیوں کا خاتمہ کیا۔ جب سب وحشی جل چُکے تو ایک اور تخت پہاڑ کی

جانب سے ہوا میں اُڑتا ہوا آیا اور شہزادے کے نزدیک آن کر رُکا۔ اُس پر ایک خوب صورت پری بنفشی لباس پہنے بڑی شان سے بیٹھی تھی۔ شہزادے نے پوچھا کہ تُو کون ہے اور کہاں سے آئی ہے؟ تو پری نے ہنس کر جواب دیا:

"اے شہزادے، میرا نام بنفشہ پوش ہے۔ میں غولان کے حاکم اَرزِق جن کی بیٹی ہوں۔ اِس بیابان کے غول ہمارے محافظ تھے۔ میں آج سیر کے لیے نکلی تھی کہ تمہارا حال سُنا۔ جی چاہا کہ ایسے بہادر شخص کو دیکھوں کہ جس سے ماہُون جِن نے اپنی بیٹی سبز پری کی شادی کی ہے۔"

اِدھر تو پری بنفشہ اور شہزادہ اسمٰعیل میں یہ باتیں ہو رہی تھیں، اُدھر سبز پری نے جب شہزادے کو اپنے لشکر میں نہ پایا تو سخت پریشان ہوئی اور اپنے باپ ماہُون سے کہا کہ فوراً شہزادے کی مدد کو جاؤ۔ نہ جانے وہ کس

حال میں ہے۔

ماہُون نے جانے کا ارادہ کیا تو اُس کے سپہ سالار لیسان جِن نے اُسے روک لیا۔ دراصل وہ شہزادے کا دُشمن ہو چکا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ ماہُون اپنی بیٹی کی شادی شہزادے کے بجائے اُسی سے کرے گا۔ لیکن جب ایسا نہ ہوا تو وہ اندر ہی اندر غصّے سے پیچ و تاب کھاتا رہا۔ اس پر سبز پری خود اپنے تختِ رواں پر سوار ہوئی اور شہزادے کی تلاش میں نکلی۔ دیکھا کہ وہ پری بنفشہ پوش سے باتیں کر رہا ہے۔ سبز پری کو دیکھتے ہی بنفشہ پوش وہاں سے بھاگ گئی۔ اب شہزادے نے لَوح پر نگاہ کی۔ لکھا تھا :

"غولان کو ہلاک کرنے کے بعد اِرزق شاہ جِن سے اِطاعت طلب کرو۔ وہ شارستانِ دوم کا حاکم ہے۔ اگر وہ جنگ پر آمادہ ہو تو لیسان سپہ سالار کو معرکے میں روانہ کرنا کہ وہ اندر سے تمہارا دُشمن ہے۔"

شہزادے نے اُسی وقت اِرزق کو اِطاعت کا پیغام بھیجا۔ اُس نے مغرور ہو کر جواب دیا کہ اِس آدم زاکی یہ ہمّت کہ ہم سے اِطاعت کے لیے کہتا ہے۔ فوراً طبلِ جنگ بجوا دیا اور ایک لشکر جرّار لے کر میدان میں نکلا۔ سب سے پہلے قیصال جِن سامنے آیا جو اِرزق کا سپہ سالار تھا۔ اُس نے آتے ہی نعرہ مارا اور کہا :

"کوئی ہے جو میرے مقابلے میں آئے ؟"

قیصال بہت نامی گرامی سپہ سالار تھا اور اس کی قوّت کا یہ عالم تھا کہ آج تک کسی سے نہیں ہارا تھا۔ بڑے بڑے جِن اُس کے مُقابلے میں نکلتے ہوئے گھبراتے تھے۔ جب شہزادے کی صفوں سے کوئی اُس کا سامنا کرنے کے لیے تیّار نہ ہوا تو اُس نے لیسان جِن کو میدان میں اُترنے کا حُکم دیا۔ لیسان جن کی سِٹّی گُم ہوئی۔ شہزادے کے قدموں پر گِر پڑا اور کہنے لگا :

"حضور، مُجھے نہ بھیجیے۔ میں مارا جاؤں گا۔ قیصال سے جنگ کرنا میرے بس سے باہر ہے۔" اُس نے ہر چند منت سماجت کی لیکن شہزادے نے ایک نہ سُنی اور کہا :

"قیصال کا مُقابلہ تم ہی کو کرنا ہو گا۔ اگر میدان میں جانے سے انکار کرتے ہو تو یاد رکھو، ابھی شمشیرِ جمشیدی سے تمہارا سر قلم کرتا ہوں۔"

مجبور ہو کر لیسان سپہ سالار میدان میں گیا۔ قیصال نے پہلے حملے ہی میں اُسے اور اُس کے پانچ جِنوں کو قتل کر ڈالا۔ اب شہزادہ خود شمشیرِ جمشیدی تول کہ میدان میں گیا۔ خُدا کی قُدرت، قیصال جِن پر شہزادے کی ایسی ہیبت سوار ہوئی کہ ساری چوکڑی بھُول گیا۔ شہزادے نے للکار کر کہا :

"اے قیصال! سنبھل کہ میں وار کرتا ہوں۔"

قیصال نے قہقہہ لگایا اور بولا۔ "اے آدم زاد! اپنی جان کی خیر سُنا۔ تو نے دیکھا نہیں کہ میری تلوار نے لیسان اور اُس کے ساتھیوں کا کیا حشر کیا ہے؟ اب بھی موقع ہے۔ اپنی جان سلامت لے جا۔"

شہزادے نے جواب دیے بغیر شمشیرِ جمشیدی سے حملہ کیا۔ قیصال نے اپنی ڈھال آگے کی۔ تلوار ڈھال کو کاٹتی ہوئی قیصال کی کھوپڑی پر پڑی اور اُسے چیرتی ہوئی سینے تک آئی۔ ایک خوفناک چیخ قیصال کے مُنہ سے نکلی۔ وہ دھڑام سے زمین پر دو ٹکڑے ہو کر گِرا اور چند لمحے بُری طرح تڑپنے کے بعد ٹھنڈا ہو گیا۔

قیصال کے مرتے ہی اِرزق کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ شہزادے نے غضب میں آن کر پیچھا کیا اور بہت سے جِنوں کو مار ڈالا۔ اِرزق نے بھاگنے کی کوشش کی، مگر گرفتار ہو کر شہزادے کے سامنے لایا گیا۔ اُس نے

سچّے دِل سے شہزادے کی اطاعت کی اور دین اسلام میں داخل ہونے کا عہد کیا۔ اِرزق کی کُل فوج شہزادہ اسمٰعیل کی فوج میں شامل ہوئی۔ اُس کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔

اب شہزادہ شارستان سوم کی جانب روانہ ہوا۔ اُسے شارستان سفید بھی کہتے تھے۔ یہاں کی حکومت ایک پری کے ہاتھ میں تھی جسے نازنین کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ جب نازنین پری نے شہزادہ اسمٰعیل کے اِس لشکرِ جرّار کے ساتھ حملہ آور ہونے کی خبر سُنی تو سخت پریشان ہوئی۔ اس میں شہزادے سے مُقابلہ کرنے کی جرأت ہی نہ تھی۔ ایک خط جمشید سیاہ قبا کے نام لکھ کر روانہ کیا کہ فاتحِ طِلسم اِدھر آتا ہے۔ اُس نے دو شارستان اپنی شمشیر کے ذریعے فتح کیے ہیں اور وہاں کے حاکموں کو زیر کر لیا ہے۔ اب اُس کا رُخ میری سلطنت کی طرف ہے۔ جلد مدد بھیجو ورنہ یہ علاقہ بھی ہاتھ سے جاتا

رہے گا۔

جمشید سیاہ قبا کے پاس نازنین پری کی درخواست پہنچی تو اُس نے اپنے دو بہترین سپہ سالاروں کو طلب کیا۔ اُن میں سے ایک کا نام تنومند اور دوسرے کا تن آور تھا۔ اُس نے اِن دونوں کو ایک بڑی فوج دے کر نازنین کی حفاظت کے لیے روانہ ہونے کا حُکم دیا۔ یہ دونوں سپہ سالار سخت سُست اور کاہل تھے۔ دِنوں کی راہ مہینوں میں طے کرتے تھے۔ جب کئی دِن گزر گئے اور نازنین پری کو جمشید سیاہ قبا کی جانب سے کوئی جواب نہ ملا تو وہ بہت مایوس ہوئی اور اُس نے ارادہ کیا کہ جوں ہی شہزادہ اسمٰعیل اِدھر آئے گا، وہ جنگ کے بغیر اس کی اطاعت قبول کرلے گی۔

اُدھر شہزادے نے تھوڑی دور جا کر لَوح سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"اے لَوح کے مالک! بے خوف ہو کہ آگے بڑھو۔ شارستان سوم تمہیں

جنگ کیے بغیر مل جائے گا۔ یہاں سے پانچ منزل دُور، آدھی رات کے وقت ایک سُریلی آواز تمہارے کان میں آئے گی۔ اسی آواز پر جانا۔“

شہزادہ جب اُس منزل پر پہنچا میں کا ذکر لَوح زُحل نے کیا تھا تو یہ پانچویں منزل تھی۔ آدھی رات کے وقت شہزادے کے کان میں بانسری بجنے کی آواز آئی۔ شہزادہ اپنے خیمے سے نکل کر آواز کے رُخ روانہ ہوا۔ کئی کوس چلنے کے بعد ایک باغ نظر آیا جس کی چار دیواری سُنہرے رنگ کی تھی۔ باغ کے دروازے پر ایک خوف ناک دیو کو دیکھا کہ بانسری بجا رہا ہے اور پچاس ساٹھ دیو اُس آواز پر مستی میں ناچ رہے ہیں۔ شہزادے نے پھر لَوح سے مشورہ کیا۔ جواب ملا:

”ایک درخت سے شاخ توڑو اور اُس سے اپنے گرد دائرہ بناؤ۔ اُس دائرے میں داخل ہو کر تین مرتبہ اسمِ اعظم پڑھو۔ پھر جامِ جم ہاتھ میں لے

کر لکڑی بجاؤ۔ دیو یہ آواز سُنیں گے تو دائرے کے گرد جمع ہو کر ناچیں گے ۔ ناچ ناچ کہ اُن کا بُرا حال ہو گا۔ پھر آگ اُن کے مُنہ سے نکلے گی اور ان سب کو جلا دے گی ۔ لیکن بانسری بجانے والا دیو بھاگ کر گُنبدِ طِلسم میں جا چھُپے گا۔ جب سب دیو جل کر ہلاک ہو جائیں، تب تُم باغ میں داخل ہونا۔ تب وہاں پری زادوں کی ایک مجلس نظر آئے گی ۔ اُس کے بعد ضرورت پڑے تو لَوح پر نگاہ ڈال لینا ۔"

شہزادے نے اِن ہدایات پر عمل کر کے سارے دیووں کو جلا کر خاک کیا۔ لیکن بانسری بجانے والا دیو بھاگ کر ایک عالی شان گُنبد میں جا چھپا۔ شہزادے نے قریب جا کر گُنبد کا معائنہ کیا۔ یہ جان کر حیرت ہوئی کہ گُنبد کا کوئی دروازہ نہ تھا۔

یہاں سے چل کر شہزادہ باغ میں داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ پریوں کی ایک

جماعت موجود ہے۔ سب کے ہاتھوں میں مختلف ساز ہیں۔ کوئی پری گا رہی ہے، کوئی ساز بجا رہی ہے۔ اُن کے سامنے ایک پردہ ہے۔ جب گا چکتی ہیں تو اُس پردے کے سامنے جا کر جھکتی ہیں اور آداب بجالاتی ہیں۔ پھر واپس آ کر گانے میں مشغول ہو جاتی ہیں۔ دیر تک یہی تماشا ہوتا رہا۔ شہزادہ سوچنے لگا، آخر اِس پردے کے پیچھے کون ہے جسے یہ پریاں بار بار جا کر سلام کرتی ہیں۔

ابھی یہ خیال شہزادے کے ذہن ہی میں تھا کہ ایک پری نے آگے بڑھ کر وہ پردہ اُٹھا دیا۔ شہزادے نے دیکھا کہ پردے کے پیچھے سونے کا تخت ہے اور اس تخت پر بے حد خوب صورت پری بیٹھی ہے۔ اُس کے سر پر سونے کا تاج ہے جس میں بیش قیمت لعل اور یاقوت جڑے ہیں۔ باقی پریوں نے پردہ اُٹھتے ہی تخت پر بیٹھی ہوئی پری کو سجدہ کیا اور رو رو کر کہنے

لگیں :

"اے شہزادی، ہمارا قصور معاف کر اور ہم سے بات چیت کر۔ اب ہم کبھی تیرے خلاف گانا نہ گائیں گے۔"

اِسی طرح وہ روتی اور التجا کرتی رہیں، لیکن تخت نشین پری نے کوئی جواب نہ دیا، نہ اپنی جگہ سے جُنبش کی۔ شہزادے نے بڑھ کر غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ سنگِ مرمر کا ایک بُت ہے جسے پریوں کا سا لباس اور تاج پہنا کر تخت پر بِٹھا رکھا ہے۔ اُس نے حیران ہو کر لَوح دیکھیں۔ لکھا تھا :

"اے شہزادے، اِن گانے والی پریوں کی سردار طائفہ پری ہے۔ اُس سے کہہ کہ تُجھے سفید گُنبد میں لے جائے۔ وہاں تیری جنگ سفید دیو سے ہو گی۔ جب دیو تیرے ہاتھ سے قتل ہو گا، تب یہ سنگِ مرمر کی پری بولے گی۔"

شہزادے نے طائفہ پری کو سلام کیا اور اُس سے فرمائش کی کہ سفید گُنبد
تک لے جائے۔ طائفہ پری نے اُسی وقت تختِ رواں پر شہزادے کو
سوار کیا اور سفید گُنبد میں پہنچایا۔ سفید دیو اُس وقت گُنبد کے اندر غفلت کی
نیند سو رہا تھا۔ شہزادے نے جوں ہی اللہ اکبر کا زبردست نعرہ مارا، دیو
ہڑبڑا کر اُٹھا۔ دیکھا کہ نعرے سے گُنبد کے در و دیوار کانپ رہے ہیں۔
اُس نے جھٹ اپنا گُرز اٹھایا اور گُنبد سے باہر آ کر شہزادے پر حملہ کیا۔
شہزادے نے وار خالی دے کر شمشیرِ جمشیدی کو جنبش دی۔ پلک جھپکتے
میں سفید دیو کی گردن بھُٹّا سی اُڑ گئی۔

دیو کے قتل ہوتے ہی چاروں طرف گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ ایک ساعت
کے بعد یہ اندھیرا دُور ہوا تو وہاں گُنبد تھا نہ دیو کی لاش۔ شہزادے نے
اپنے آپ کو طائفہ پری سمیت اُسی باغ میں پایا۔ پردے کے اندر سے

آواز آئی۔ "شاباش اور آفرین ہے تمھاری ہمّت پر!" شہزادے نے
پردے کے پاس جا کر دیکھا۔ وہ تخت نشین پری اب زندہ سلامت وہاں
بیٹھی مُسکرا رہی تھی۔

شہزادے نے اُس سے پوچھا۔ "تُم کون ہو اور اِس سے پہلے تمھاری یہ کیا
حالت تھی؟"

اُس نے اُٹھ کر ادب سے شہزادے کو سلام کیا۔ پھر کہنے لگی۔ "مُجھے ناز پیکر
کہتے ہیں۔ اِس سے پہلے جو کُچھ تھی وہ بعد میں بیان کروں گی۔ پہلے آپ
کھانا کھا لیجیے۔"

یہ کہہ کر اُس نے تالی بجائی۔ اُسی وقت پریاں حاضر ہوئیں۔ اُنھوں نے
دسترخوان بچھا کہ قسم قسم کے لذیذ کھانے سجائے۔ جِن برتنوں میں کھانا لایا
گیا تھا، وہ سب سونے کے بنے ہوئے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر

شہزادے نے پھر اُس پری سے اپنی داستان سُنانے کی فرمائش کی۔ اُس نے کہا :

"شہزادے، اب رات زیادہ آگئی ہے، سو جاؤ۔ صُبح بیان کروں گی۔"

شہزادے نے اُس کی بات مان لی اور آرام دہ بستر پر لیٹ کر سو گیا۔ لیکن صُبح جب آنکھ کھُلی تو دیکھا کہ نہ وہاں باغ ہے نہ پریاں اور نہ وہ تخت نشین پری۔ تھوڑی دیر بعد شہزادے کی فوج بھی وہاں آپہنچی۔

جمشید سیاہ قبا سے جنگ

شہزادہ اسمٰعیل رات کے واقعات پر غور کر ہی رہا تھا کہ پری بنفشہ پوش نے حاضر ہو کر سلام کیا۔ شہزادے نے اُس سے ذکر کیا تو وہ ہنس کر کہنے لگی کہ اے شہزادے۔ یہ مقام طِلسم ہے۔ یہاں اتنے عجائبات ہیں کہ جنھیں شُمار کرنا بھی نا مُمکن ہے۔

اتنے میں سپاہیوں نے آن کی اِطّلاع دی کہ شارستانِ سوم کی مَلِکہ نازنین

پری حاضر ہونا چاہتی ہے۔ شہزادے نے اُسی وقت دربارِ عام کیا۔ نازنین پری نے جواہرات سے بھرے ہوئے چالیس خوان شہزادے کی نذر کیے۔ پھر الماس کا بنا ہوا ایک صندوقچہ پیش کیا۔ شہزادے نے صندوقچہ کھولا۔ اُس میں سے ناز پیکر کی تصویر نکلی۔ شہزادے نے خوش ہو کر پوچھا:

"اے پری، یہ تصویر تُجھے کہاں سے ملی ہے؟"

نازنین پری نے ادب سے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ "جہاں پناہ، یہ میری بیٹی کی تصویر ہے۔" تب شہزادے نے پہلی رات جو تماشا دیکھا تھا، وہ بیان کیا۔ نازنین پری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اُس نے بتایا کہ ناز پیکر کو طِلسم جمشید کے جادُوگروں نے پتھّر کا بنا کر اپنی قید میں رکھا تھا۔ آپ نے آ کر یہ طِلسم توڑا اور میری بیٹی کو قید سے آزاد کرایا۔ اب میں اُسے آپ کی

خدمت کے لیے پیش کرتی ہوں۔ آئیے شہر میں تشریف لے چلیے۔

شہزادہ اسمٰعیل سفید شہر میں گیا۔ وہاں اُس کی ملاقات سفید محل میں ناز پیکر سے ہوئی۔ اُس نے بھی شہزادے کی خدمت میں تحفے پیش کیے۔ نعمان جن یہاں کی فوج کا سالار تھا۔ شہزادے نے اُسے شارستانِ سوم کی تیس ہزار فوج سمیت اپنے لشکر میں شامل کیا اور آگے بڑھا۔

اب جمشید سیاہ قبا کے بھیجے ہوئے دو سپہ سالاروں تن آور اور تنومند کا ذکر سُنیے، جو نازنین پری کی مدد کے لیے آ رہے تھے۔

شارستانِ سوم (تیسرا شارستان) کی طرف آنے کے بجائے یہ دونوں راستہ بھول کہ شارستانِ پنجم (پانچواں شارستان) کی جانب جا نکلے، جِسے پھولوں کی سلطنت بھی کہتے تھے۔ وہاں اُنھوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ اُس شارستان کا حاکم سولان جِن تھا۔ اس نے تن آور اور تنومند کی بڑی خاطر

تواضع کی اور انہیں عیش و عشرت کے کاموں میں مُبتلا کیے رکھا۔ اِس دوران میں شہزادہ اسمٰعیل شارستانِ چہارم (چوتھا شارستان) فتح کرتا ہوا وہاں کے حاکم خُسرو شاہ کو اپنا مُطیع بناتا ہُوا آندھی طوفان کی طرح شارستانِ پنجم کی طرف آیا۔ جب اِن سپہ سالاروں نے شہزادے کے آنے کی خبر سُنی تو پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔

اُدھر سولان جِن نے شہزادے کو پیغام بھیجا کہ میں آپ سے ہر گز لڑنا نہیں چاہتا۔ آئیے، یہ سلطنت آپ کے لیے حاضر ہے۔ لیکن راہ میں دو رکاوٹیں ہیں۔ پہلے اُنہیں دُور کر دیجئے۔ اِن رکاوٹوں سے سولان جِن کا اشارہ جمشید سیاہ قبا کے بھیجے ہوئے سپہ سالاروں تن آور اور تنو مند کی طرف تھا۔

شہزادے نے شارستانِ پنجم کے قریب پہنچ کر طبلِ جنگ بجوایا۔ مُنہ

اندھیرے دونوں طرف کی فوجیں میدان میں اُتریں۔ نہایت خوف ناک جنگ شروع ہوئی۔ تن آور اور تنومند دونوں نہایت بے جگری سے لڑے۔ لیکن شہزادے کی فوج نے ایسا دباؤ ڈالا کہ سہ پہر کے وقت دُشمن کی فوج کے قدم اُکھڑ گئے۔ تن آور اور تنومند دونوں گرفتار ہوئے۔ دونوں شکست خوردہ سالاروں نے شہزادے کی اطاعت قبول کی۔

اب شہزادے نے شارستانِ ششم (چھٹا شارستان) کی جانب قدم بڑھایا۔ اِس شارستان کی مَلکہ کا نام سُعاد تھا اور وہ جمشید کی اولاد میں سے تھی۔ جب اُس نے سنا کہ شہزادہ اسمٰعیل نے پانچ شارستان فتح کیے اور اب اُس کے مُلک کی طرف آتا ہے تو وہ بہت خوش ہوئی۔ اِس لیے کہ مَلکہ سُعاد جادُو اور طِلسم سے سخت نفرت کرتی تھی اور خُدائے واحد پر اس کا ایمان تھا۔ لیکن وہ اِسے اپنے سینے میں چھپائے رہتی تھی۔ اُسے معلوم تھا

کہ شہزادہ بھی خُدا پرست ہے لیکن اِس کے باوجود اُس کو خوف تھا کہ ایسا نہ ہو شہزادے کی فوجیں قتلِ عام کریں اور ملک برباد ہو۔

اِسی پریشان کے عالم میں اُس نے رات کے وقت خُدا کے پاک ناموں میں سے ایک نام کا وظیفہ کر کے آرام کیا۔ خواب میں اُس نے حکیم آزر کیواں کو دیکھا کہ یوں کہتا ہے :

"اے سُعاد، جمشید سیاہ قبا کو شک ہے کہ تُو فاتح طِلسم شہزادہ اسمٰعیل کی حامی ہے ۔ اِسی لیے اُس نے اکتم بن التم جادُوگر کے مشورے سے ارادہ کیا ہے کہ تُجھے کہیں اور روانہ کر دے ۔ اب تو دیر نہ کر۔ کل صُبح ہوتے ہی اپنی بیٹی محفل افروز کو لے کر شہزادے کے پاس چلی جانا اور اس کی اِطاعت قبُول کرنا۔ اِسی میں تیری سلامتی ہے ۔ عنقریب یہ طِلسم فتح ہو گا، جمشید سیاہ قبا قتل ہو جائے گا اور یہ سلطنت تُجھی کو ملے گی ۔"

صُبح ہوتے ہی مَلِکہ سُعاد نے آذر کیواں کی ہدایت پر عمل کیا اور تختِ رواں پر سوار ہو کر شہزادے کے لشکر میں چلی گئی۔ اُس کے آنے سے شہزادہ خوش ہوا اور سُعاد کے دیے ہوئے تحائف قبول کیے۔ پھر مَلِکہ سُعاد نے شہزادے سے کہا :

"اگر زحمت نہ ہو تو شہر کے اندر تشریف لے چلیے۔"

شہزادے نے یہ درخواست بھی قبول کی۔ لیکن جانے سے پہلے لَوحِ زُحل سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا :

"اے شہزادے، پہلے اِس شارستان کا طِلسم توڑو اور جواہر خانہ جمشیدی پر قبضہ کرو۔"

شہزادے نے لَوح کے حُکم سے سُعاد کو آگاہ کیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ پھر

ہاتھ باندھ کر کہنے لگی :

"عالم پناہ، آج کا دِن شہر کی سیر میں گزاریے۔ کل مُنہ اندھیرے کوہستانِ جنُوب کی جانب تشریف لے جائیے۔ اُس کوہستان کے دَرّوں میں ایک باغ ہے۔ وہاں جتنے بھی پھول، پودے اور درخت ہیں، اُن سب کا رنگ صندلی۔ ہو گا۔ جب آپ اُس باغ میں داخل ہوں گے، ایک بُڑھیا آپ سے ملاقات کرے گی۔ طِلسم کا نشان اُسی سے ملے گا۔ یہ راز چند سال ہوئے حکیم آزرکیواں نے مُجھے خواب میں بتایا تھا۔"

غرض شہزادہ خُدا کا نام لے کر اگلے روز مُنہ اندھیرے کوہستانِ جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ بڑی جُستجو اور مشقّت کے بعد وہ باغ نظر آیا جس کا پتا سُعاد نے دیا تھا۔ اُس باغ کے اندر گیا تو ویسا ہی منظر تھا۔ ہر درخت، ہر پودا اور ہر پھُول صندلی رنگ کا تھا۔ خُدا کی قُدرت دیکھ کر شہزادہ عش عش

کرنے لگا۔ آخر سیر کرتا ہوا ایک وسیع احاطے میں پہنچا۔ درمیان میں اُونچے چبوترے پر سو برس کی ایک بُڑھیا نظر آئی تسبیح ہزار دانہ اُس کے ہاتھ میں تھی۔ شہزادے نے بُڑھیا کو ادب سے سلام کیا۔ بڑھیا نے نگاہ اُٹھا کر شہزادے کو اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ پھر بولی :

"اے فرزند، کس لیے یہاں آیا؟ کیا چاہتا ہے ؟"

شہزادے نے کہا۔ "دادی امّاں، طِلسم جواہر خانہ کا نشان مُجھے دیجیے۔ بس یہی چاہتا ہوں۔"

یہ سُن کر بُڑھیا ہنسی اور کہنے لگی۔ "اے فرزند، وہ جواہر خانہ سب کا سب تیرا حق نہیں۔ اِس میں سے آدھا میری بیٹی کا حصّہ ہے۔ یہ تحریر مُجھے لکھ دے کہ جواہر خانے کا نِصف مال مَلِکہ محفل افروز کو دُوں گا، جو اِس بُڑھیا کی بیٹی ہے۔"

شہزادہ یہ شرط سُن کر خاموش رہا۔ پھر لَوح نکال کر دیکھی۔ اُس میں یہی لکھا تھا کہ جواہر خانہ کا حال سُعاد سے دریافت کرو، اِتنے میں بُڑھیا نے آواز دی:

"اے رافع! اِدھر آؤ۔"

شہزادے نے دیکھا کہ ایک گراں ڈیل حبشی غُلام آواز سُنتے ہی دوڑا دوڑا ایک طرف سے آیا اور بُڑھیا کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ بُڑھیا نے پھر حُکم دیا:

"اے غُلام، ابھی میری بیٹی محفل افروز کے پاس جا اور کہہ کہ وہ باغ میں آئے اور جواہر خانہ کا آدھا مال فاتح طِلسم جمشید سے طلب کرے۔"

غُلام نے گردن جھُکا کر سلام کیا اور چلا گیا۔

اُس کے جاتے ہی بُڑھیا نے آوازیں دے دے کر بہت سے غُلام طلب کیے اور انھیں حُکم دیا کہ باغ کی اچھّی طرح صفائی کریں۔ اُنھوں نے پھرُتی سے کام شروع کیا۔ فراشوں نے بارہ دری میں پاکیزہ اور بیش قیمت فرش بِچھائے، درختوں کو اطلس و زربفت سے منڈھا، دو سونے کے تخت حوض کے کنارے بچھائے۔ ابھی سے تیّاریاں جاری تھیں کہ ایک شاندار سواری نہایت شان و شوکت سے باغ میں داخل ہوئی۔ اُس میں سے ایک عورت برآمد ہوئی جس کا لباس صندلی رنگ کا اور چہرہ نقاب میں چھُپا ہوا تھا۔ وہ آئی اور ایک تخت پر بیٹھ گئی۔ پھر بُڑھیا نے اشارہ کیا اور شہزادہ دُوسرے تخت پر جا بیٹھا۔ چند لمحے بعد نقاب پوش عورت نے بُڑھیا سے کہا:

"امّاں، تُم جانتی ہو کہ طِلسم کا احوال مُجھ سے تعلّق رکھتا ہے۔ لیکن اِس

شہزادے نے چوں کہ بہت محنت کر کے اور جان جوکھوں میں ڈال کر طِلسم کو توڑا ہے، اِس لیے جواہر خانہ جمشیدی کا یہی حق دار ہے اور اگر یہ اُس میں سے کُچھ مُجھے عطا کرے تو اُس کی مہربانی ہے۔"

یہ بات سُن کر شہزادہ حیران ہوا اور اس نے کہا :

"اے مَلِکہ! چہرے سے نقاب اُٹھاؤ۔ میں تمام خزانہ تمھیں بخشنے کے لیے تیّار ہوں۔"

یہ سنتے ہی عورت نے نقاب اُٹھائی۔ شہزادہ اُسے دیکھتے ہی غش کھا کر گِرا۔ مَلِکہ محفل افروز اُٹھ کر چلی گئی۔ بُڑھیا نے عرقِ گلاب شہزادے کے چہرے پر چھِڑکا۔ وہ ہوش میں آیا اور زار زار رونے لگا۔ بُڑھیا نے اُسے تسلّی دی اور کہا :

"اے شہزادے، یہ مَلِکہ بڑے اُونچے خاندان کی ہے۔ جمشید جم کی نسل میں سے ہے۔ مَلِکہ سُعاد اس کی ماں ہے۔ میں قوم جنّات میں سے ہوں اور میرا نام تصفیہ روشن دِل ہے۔ شاہ جمشید کے وقت سے طِلسم جواہر خانہ کی نگہبانی میرے ذمّے ہے۔ جب یہ شہزادی پیدا ہوئی تو حکیم آزر کیواں نے اِسے میری بیٹی بنایا تھا۔"

شہزادہ اُس رات باغ میں رہا۔ اگلے روز پھر بُڑھیا سے طِلسم جواہر کا حال پُوچھا۔ اس نے کہا :

"اے شہریار، جواہر کو جمشید نے شہزادی محفل افروز کی خاطر بند کر دیا تھا۔ اب تُم شادی پر راضی ہو جاؤ تو یہ طِلسم کھُل جائے گا۔ میں تمھیں ایک اِسم بتاتی ہوں۔ اُسے پڑھ کر ہوا پر دم کرو۔ صندلی رنگ کا ایک مُرغ پیدا ہو گا۔ اُسے تیر سے ہلاک کرنا اور اُس کا خون جامِ جم میں بھر لینا۔ جب اُس خُون

میں لَوحِ زُحل کو دھوؤ گے تو خانہ جواہر کو کھولنے کے حروف ظاہر ہوں گے ۔"

یہ کہہ کہ بُڑھیا بیٹھے بیٹھے ایک دم غائب ہو گئی۔ شہزادے نے بُڑھیا کا بتایا ہوا اِسم پڑھ کر ہوا پر دم کیا۔ صندلی رنگ کا ایک پرندہ نمودار ہوا اور درخت کی شاخ پر بیٹھ کر چہچہانے لگا۔ شہزادے نے کمان میں تیر جوڑا اور خُدا کا نام لے نشانہ لیا۔ تیر سیدھا پرندے کی گردن میں لگا۔ وہ پھڑپھڑا کر نیچے آیا۔ شہزادے نے جھٹ اُسے خنجر سے ذبح کیا اور خون جامِ جم میں بھر لیا۔ پھر لَوحِ زُحل پر یہ خُون ڈالا۔ اُسی وقت یہ عبارت صندلی رنگ میں ظاہر ہوئی :

"تصفیہ روشن دِل کے اِس باغ سے دائیں جانب کُچھ فاصلے پر جاؤ۔ صندل کے ایک درخت کے پاس پہنچو گے۔ یہ اسم پڑھ کر اُس پر دم کرنا۔ پھر ایک مُرغ ہوا سے پیدا ہو کے اُس درخت کی شاخ پر بیٹھے گا۔ اُسے اپنے تیر

سے ڈرانا۔ وہ ڈر کر اُڑ جائے گا۔ اِسی طرح چھ مُرغ آئیں گے کسی کو ہلاک مت کرنا۔ صرف تیر دِکھا کر ڈرانا۔

جب وہ سب اُڑ جائیں تو ساتواں مُرغ آئے گا۔ اُس کی شکل اور رنگ مور جیسا ہو گا۔ جوں ہی وہ شاخ پر بیٹھے گا، اُس کے بوجھ سے شاخ ٹوٹ جائے گی اور وہ اُڑ کر دوسری شاخ پر چلا جائے گا۔ وہ شاخ بھی اُس کا بوجھ سنبھال نہ سکے گی۔

غرض وہ اِسی طرح کئی شاخوں پر جائے گا۔ تُم اِس دوران میں برابر اِسمِ اعظم پڑھتے رہنا۔ جب درخت کی آخری شاخ بھی اُس کے بوجھ سے ٹوٹے گی تو مُرغ زمین پر آئے گا۔ تُم جلدی سے اُس پر سوار ہو جانا اور اُسی درخت کی شاخ لے کر اُسے مارنا۔ وہ تمھیں لے کر پرواز کرے گا، تُم کہنا، اے پرندے کہ تیرا نام الکموس ہے، مُجھے درخت اِلمس پر پہنچا دے۔ وہ

تمہیں ایسے درخت کے پاس لے جائے گا جس کی شاخیں سُرخ اور زرد رنگ کی ہوں گی اور اُس درخت میں پتّے نہ ہوں گے۔ دو شاخیں اُس درخت سے توڑ لینا۔ ایک سُرخ، ایک زرد۔ اُسی وقت دو دیو سُرخ اور زرد رنگ کے پیدا ہوں گے۔ دونوں کو اُنھی جیسے رنگ کی شاخوں سے ہلاک کرنا۔ وہ شاخ لگتے ہی جل جائیں گے۔ آگے پھر ضرورت کے مطابق مشورہ کر لینا۔"

شہزادے نے اُن تمام ہدایتوں پر عمل کیا۔ جب سُرخ اور زرد دیو کو ہلاک کر چُکا تو ایک باغ میں پہنچا۔ وہاں ایک حوض میں بہت سی پریوں کو نہاتے ہوئے دیکھا۔ جوں ہی پریوں نے شہزادے کو اپنی طرف آتے دیکھا، وہاں سے اُڑ کر غائب ہو گئیں۔ شہزادہ آگے چلا۔ ایک بڑی نہر دِکھائی دی جس کے دونوں طرف طرح طرح کے پھل دار درخت تھے۔ شہزادے

نے لَوح پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"جامِ جم کو پانی میں ڈال دو۔ یہ کشتی بن جائے گا۔ اِس کشتی پر سوار ہو کر ایسی جگہ پہنچو گے کہ نہر ختم ہو جائے گی۔ یہاں ایک باغ ظاہر ہو گا۔ اُس میں داخل ہونا۔ اُسی جگہ صندل پری سے ملاقات ہو گی۔ اس سے کہنا اگر تم نو بُرجوں والے قَلعے میں مُجھے پہنچا دینے کا وعدہ کرو تو میں تمھیں شارستانِ ششم میں مَلِکہ محفل افروز کی کنیز بنا دوں گا۔ وہ یہ بات مان کر خزینہ دار پری کو بُلائے گی اور وہ تمھیں نَو بُرجوں والے قَلعے میں پہنچا دے گی۔"

شہزادے نے اِن ہدایات پر بھی عمل کیا۔ صندل پری نے خزینہ دار پری کو طلب کیا اور کہا۔ "تمھیں حُکم ہے کہ اِس شہزادے کی مدد کرو کہ یہی طِلسم جمشید کا فاتح ہے۔"

خزینہ پری شہزادے کو تخت پر سوار کر کے مشرق کی جانب روانہ ہوئی۔

تمام دِن اور تمام رات تخت ہوا میں اُڑتا رہا۔ صُبح کے وقت قلعے کے نزدیک پہنچے۔ شہزادے نے دیکھا کہ پہاڑ کی چوٹی پر ایک عالی شان قلعہ بنا ہوا ہے۔ اس کے نو برج ہیں اور ہر بُرج قیمتی پتھرّ کا ہے۔ پہلا دروازہ الماس کا، دوسرا یاقوت کا، تیسرا مروارید کا، چوتھا مرجان کا، پانچواں فیروزے کا، چھٹا زَبَرجَد، ساتواں زمرّد کا، آٹھواں لعلِ سُرخ کا اور نواں دروازہ سفید موتیوں کا تھا۔

یہ عجائبات دیکھ کر شہزادہ حیران ہوا۔ ہر بُرج پر اُسی رنگ کا ایک مُرغ بھی بیٹھا نظر آیا۔ ہر ساعت بعد وہ مُرغ چونچ کھول کر اُڑتا۔ اُسی وقت بُرج کے نیچے سے اُسی رنگ کا ایک اژدھا پھُنکارتا ہوا بُلند ہوتا کہ اُس مُرغ کو پکڑے، لیکن مُرغ ہر بار بچ جاتا۔ پھر جب وہ مُرغ بُرج پر بیٹھتا تو اژدھا اُسی بُرج کے نیچے بنے ہوئے ایک کنویں میں چلا جاتا۔

شہزادے نے لَوح سے مشورہ کیا لکھا تھا :

"اے طِلسم جمشیدی کے فاتح، پہاڑ کی چوٹی پر جا اور قلعے کے باہر جو خندق بنی ہے، اُس کے کنارے بیٹھ کر اِسمِ اعظم پڑھ۔ جو مُرغ زمرّدی بُرج پر بیٹھا ہے، اُس کی طرف مُنہ کر کے کہہ کہ اے پرندے، اِدھر آ۔ اگر مُجھے پیاس لگی ہے تو پانی پینے کے لیے میں تُجھے دیتا ہوں۔ یہ سُن کر وہ مُرغ فوراً اُڑ کر تیرے پاس چلا آئے گا۔ اُسے پکڑ کر خزینہ پری کے حوالے کرنا۔ اِسی طرح باقی کے آٹھ مُرغوں کو بھی پکڑ لینا۔

اِس کے بعد نو اژدہے اپنے اپنے کنوؤں سے نِکل کر تیری طرف بڑھیں گے۔ تُو جلدی سے جامِ جم اُن کے آگے پھینک دینا۔ جام بیس گُنا بڑا ہو جائے گا۔ وہ نو اژدھے پانی پینے کے لیے اُس جام کی طرف جھکیں گے۔ لیکن پانی پیتے ہی سب کے سب مر جائیں گے۔ اِس کے بعد خزینہ دار

پری سے کہنا کہ لکڑیاں جمع کر کے اِن اژدھوں کو جلا دو۔ تو اُس وقت دُور ہٹ جانا۔

جب اژدھے جل کر سیاہ راکھ میں بدل جائیں گے اور آگ میں سے دھواں نکلنا بند ہو گا تو آپ ہی آپ قَلعے کے پانچ دروازے کھلیں گے اور اُن میں سے پانچ صُورتیں باہر نکلیں گی۔ اُن سب کے جسم تو آدمیوں کے سے ہوں گے اور سر مختلف جانوروں کے۔ اُنہیں شمشیرِ جمشیدی سے قتل کر ڈالنا۔ پھر قَلعے کے چھٹے دروازے سے بھی سفید داڑھی والا ایک جِن نکل کر تُجھے سلام کرے گا۔ اُس سے کہنا کہ اے اَخزن جِن، طِلسم ٹُوٹ گیا۔ اب سارا خزانہ میرے حوالے کر۔ وہ کہے گا کہ پہلے میرے بھائیوں کو قید سے آزاد کراؤ تو جامِ جم کو پانی سے بھر کر اُن مرغوں کو اُس میں غوطہ دینا۔ اُسی وقت وہ سارے مُرغ آدمیوں کی شکل میں آجائیں گے۔"

شہزادے نے ایسا ہی کیا۔ اَخزن جِن شہزادے کو باغ میں لے گیا۔ یہ عجیب باغ تھا۔ تمام پھُول پتّے اور پھل جواہر کے تھے۔ درختوں کی شاخوں پر جو پرندے بیٹھے چہچہا رہے تھے، وہ بھی لعل و یاقوت کے بنے ہوئے نظر آتے تھے۔ باغ میں جابجا نہریں بہتی تھیں۔ اُن کی تہہ میں بھی پتھرّوں کے بجائے ہیرے جواہر دِکھائی دیتے تھے۔

اَخزن جِن نے شہزادے کی دعوت کی اور نوگُنبدوں سے نو قسم کے جواہر نکال کر اُس کی خدمت میں پیش کیے۔ شہزادے نے وہ سب مال و اسباب خزینہ دار پری کے حوالے کیا اور قلعے کی حکومت اَخزن کو دی۔ پھر تصفیہ روشن دِل کے باغ میں آن کے شہزادی محفل افروز سے شادی کی۔ چالیس روز تک اِس شادی کا جشن ہوا۔

اِس دوران میں عبدالحکیم جِن شہزادے کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ یہ آذر

کیواں کی اولاد میں سے تھا۔ اُس نے کہا :

"اے شہزادے ، ساطع مَلِکہ سُعاد کا بیٹا ہے اور سلطنت کا حق دار ہے۔ جب یہ پیدا ہوا تو حکیم آزر کیواں نے خواب میں آن کر مُجھ سے کہا کہ مَلِکہ سُعاد کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اسے پرورش کے لیے ہم نے تُمھارے سپُرد کیا چناں چہ میں نے اُس لڑکے کو سُعاد کے محل سے منگوا دیا اور کُچھ عرصے بعد مشہور کر دیا کہ وہ مر گیا ہے۔ اِس طرح دشمنوں کے ہاتھ سے میں نے اُسے محفوظ کر دیا۔ شہزادی محفل افروز اور شہزادہ ساطع زرّیں دونوں شاہ جمشید کی اولاد سے ہیں۔"

یہ داستان سُن کر شہزادہ اسمٰعیل حیران ہوا۔ پھر اُس نے ساطع زرّیں کو طلب کیا اور تخت پر بِٹھایا۔ عبدالحکیم جِن کو وزارت عطا کی۔ اِس کے بعد ایک مبارک گھڑی دیکھ کر شارستانِ اعظم کی جانب روانہ ہُوا۔

شارستانِ اعظم کی فتح

جب جمشید سیاہ قبا کو یہ خبر ملی کہ چھٹا شارستان بھی شہزادہ اسمٰعیل کے قبضے میں آیا تو اُس کی پیشانی اور خوف کی حد نہ رہی۔ اُس نے فوراً دربارِ عام کیا۔ سب امیروں، وزیروں اور سالاروں کو اُس دربار میں حاضر ہونے کا حُکم دیا۔ سب جمع ہو گئے تو جمشید سیاہ قبا نے اُٹھ کر کہا:

"میرے وزیرو، امیرو اور سالارو۔ شہزادہ اسمٰعیل طِلسم کُشا نے چھ

شارستان فتح کیے اور اب شارستانِ اعظم کی طرف آتا ہے۔ عجیب نہیں کہ اُسے بھی فتح کرے۔ لیکن میری دادی نے مجُھے بعض جادُو اور منتر ایسے سکھا دیے ہیں جن کی مدد سے میں اسمٰعیل کو اُس جادُو میں گرفتار کروں گا، اور خُوب جان لو کہ میری موت شہزادہ اسمٰعیل کے ہاتھ سے نہیں ہو گی۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ میں اُسے قتل کروں گا۔ اِس جنگ میں جو میرا شریک ہے، وہ میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائے کہ کبھی مجُھ سے دغا نہ کرے گا۔"

اب سُنئے کہ لَوحِ اطاعت جمشید سیاہ قبا نے اپنی آستین میں چھُپا رکھی تھی۔ اِس طِلسمی لَوح کی وجہ سے سب سرداروں نے جمشید کی اِطاعت قبُول کی اور اُس کے ساتھ ہی مرنے جینے کی قسمیں کھائیں۔ لَوحِ اطاعت لوہے کی بنی ہوئی اور بہت چھوٹی تھی۔ حکیم آزر کیواں نے اُس پر کُچھ نقش و نِگار

بنائے تھے اور اُس کے بعد اپنے آقا شاہ جمشید کی خدمت میں پیش کی تھی۔

وہ اِس لَوح کو دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اُسے اپنے بیٹے خورشید کے بازو پر

باندھ دیا تاکہ سب انسان اور جن اس کی اطاعت کریں۔

ارنواز نام کے ایک چالاک جِن نے کِسی ترکیب سے وہ لَوح خورشید کے

بازو سے اُتارلی اور خورشید کو قتل کر دیا۔ ارنواز سے وہ لَوح سکوان جِن نے

حاصل کی اور ارنواز کو موت کے گھاٹ اُتارا۔ جمشید سیاہ قبا اُسی سکوان جِن

کا بیٹا تھا۔ اُس نے اپنے بیٹے جمشید کے بازو میں شگاف کیا اور لَوح اُس

شگاف میں رکھ کے مرہم سے زخم بند کر دیا۔ غرض اِسی لَوح کی وجہ سے

تمام سرداروں، امیروں، وزیروں اور جادُوگروں نے جمشید کی اِطاعت

قبول کر رکھی تھی اور اِسی لَوح کا اثر تھا کہ سلطان مہدی اور اُن کے ساتھی

عجبستان میں قید تھے اور اُنہیں رہائی نہیں ملتی تھی۔

جمشید سیاہ قبا دیووں اور جِنوں کی تین لاکھ فوج کے ساتھ شہر سے نِکلا۔ اِدھر شہزادہ اسمٰعیل نے شارستانِ اعظم کی سرحد پر پہنچ کر لَوحِ زُحل سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا :

"جمشید سیاہ قبا خُدا پرستوں کا دُشمن ہے۔ وہ تیری عداوت پر کمر باندھے گا۔ لیکن یہاں لَوح دیکھنے کا ایک وقت مقرّر ہے، اور وہ وقت ہے سورج ڈوبنے کے بعد اور ستاروں کے نکلنے سے پہلے کا۔ ہر روز، مقرّرہ وقت پر لَوح دیکھ۔ اِس سے ایک دِن اور ایک رات کے حالات معلوم ہوں گے۔ اگر کبھی لَوح دیکھنا بھول گیا تو سخت مُصیبتیں اور پریشانیاں اُٹھائے گا۔"

شہزادہ اُس منزل سے روانہ ہوا اور ظُلمت آباد کی سرزمین میں پہنچا۔ وہاں طِلسم کے اثر سے اکثر کالی کالی گھٹائیں آسمان پر اُمڈی رہتی تھیں اور اتنا

اندھیرا ہوتا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سُجھائی نہ دیتا۔ مقرُوس جادُوگر وہاں کا حاکم تھا

جسے جمشید سیاہ قبا نے اپنی جانب سے حکومت کے لیے مقرّر کیا تھا۔

مقرُوس نے جادُو کے زور سے سارا جنگل جلا دیا تھا اور اُس کا نام دشتِ

سوختہ (جلا ہوا جنگل) رکھا تھا۔ اُس میں تاثیر یہ تھی کہ دور سے کوئی دیکھے تو

یہاں کے لوگ اُسے آدھے جلے ہوئے نظر آئیں۔ اور جب کوئی جنگل میں

داخل ہو تو یہ آدھے جلے ہُوئے لوگ اُس سے گلے ملیں اور اُسے بھی جلا

دیں۔ شہزادے کے لشکر میں سے بعض سپاہیوں نے یہ حماقت کی اور حد

سے زیادہ آگے بڑھ گئے۔ اِسی وقت دشتِ سوختہ کے اَدھ جلے لوگ اُٹھے

اور اُن سپاہیوں سے لپٹ گئے۔ اُن کا لپٹنا تھا کہ سب کے سب سپاہی

اُنھی کی طرح جل گئے۔ اِسی طرح ایک ایک کر کے شہزادے کی فوج کے

کوئی ایک ہزار سپاہی جل گئے۔

اِس خبر سے کہرام مچ گیا۔ شہزادہ حیران تھا کہ یہ قصّہ کیا ہے مگر جب مقرّرہ وقت پر لَوح کا مطالعہ کیا تو لکھا تھا :

"اے شہزادے، تُو نے بسم اللہ ہی غَلَط کی، اور ظُلمت آباد کے قریب پہنچ کر لَوح سے مشورہ نہ کیا۔ بہرحال، جِن کی قیمت میں جلنا تھا، وہ جل گئے۔ یہ عمل مرقُوش جادُوگر نے کیا ہے۔ اِس کا توڑ یہ ہے کہ جامِ جم کو پانی سے بھر کر اکیلے دشتِ سوختہ میں جا۔ وہاں چنار کا ایک درخت دکھائی دے گا اور وہ بھی بس جلنے ہی والا ہے۔ جامِ جم اُس درخت پہ مارنا۔ اُس میں سے گاڑھا سیاہ دھواں نکلے گا اور بادل بن جائے گا۔ پھر اُس بادل میں سے پانی برسنا شروع ہو گا اور اِتنی موسلا دھار بارش ہو گی کہ سارا دشت پانی سے بھر جائے گا۔ اُس وقت تو اُسی چنار کے درخت پر چڑھ جانا۔ جب پانی درخت کے درمیان تک آئے گا تو جادُو کا زور ٹوٹ جائے گا۔"

شہزادے نے لَوح کی اس ہدایت پر عمل کیا اور جادُو کا اثر غائب ہوا۔ مقرُوس جادُوگر مُقابلے کے لیے اپنی فوج لے کر نمودار ہوا۔ ایک دِن اور ایک رات کی خوں ریز جنگ ہوئی آخر مقرُوس جادُوگر شہزادے کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بارہ ہزار سپاہی بھی اُس کے ہلاک ہو گئے اور باقیوں نے شہزادے کی اطاعت قبول کرلی۔

جب جمشید کو مقرُوس جادُوگر کے قتل ہونے کی خبر پہنچی تو سخت پریشان ہوا۔ اُس وقت اہمال دیو نے آگے بڑھ کر کہا :

"اے بادشاہ! اگر اجازت ہو تو میں شہزادہ اسمٰعیل کو گرفتار کر کے لے آؤں۔"

جمشید سیاہ قبا نے اُسے اجازت دی۔ اہمال کو ایک منتر یاد تھا۔ اُس نے شہزادے کے لشکر میں داخل ہو کر وہ منتر پڑھا۔ جس جس کے کان میں منتر

کی آواز گئی، اُسی وقت بے ہوش ہو گیا۔ لیکن شہزادے کو لَوحِ زُحل نے
پہلے ہی اہمال دیو کی اِس کارستانی سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ اسمِ اعظم پڑھتا رہا
اور منتر نے اُس پر کُچھ اثر نہ کیا۔ جس وقت اہمال دیو شہزادے کے خیمے
میں آیا، شہزادے نے شمشیرِ جمشیدی سے اُس بد بخت کے دو ٹکڑے
کیے۔ اہمال دیو کے جہنّم رسید ہوتے ہی شہزادے کے تمام لشکری
ہوش میں آ گئے اور منتر کا اثر جاتا رہا۔

اہمال دیو کے قتل ہونے سے جمشید سیاہ قبا سخت ہیبت زدہ ہوا اور
دارالحکومت سے بھاگ کر ایک طِلسمی شہر عاشرہ نامی میں پناہ لی۔ شہزادہ
اسمٰعیل بڑی شان و شوکت سے دارالحکومت میں آیا اور ساطِع زرّیں کا ہاتھ
پکڑ کر اُسے تخت پر بٹھایا۔ پھر حُکم دیا کہ جمشیدی نوبت خانہ بجایا جائے۔
لیکن کوشش کے باوجود جمشیدی نقّارے نے آواز نہ دی۔ سب کو

حیرت ہوئی۔ تب عبدالحکیم جِن نے کہا:

"اے شہزادے، یہ نقّارخانہ اُس وقت آواز دے گا جب جمشید سیاہ قبا مارا جائے گا یا لَوحِ اطاعت اُس سے حاصل کی جائے گی۔"

اُدھر جمشید نے سُنا کہ نقّارخانہ جمشیدی نے آواز نہیں دی تو نہایت خوش ہوا اور اپنے سرداروں سے کہنے لگا کہ آخر سلطنت میری قسمت میں ہے۔ پھر ایک صندوقچہ منگوا کر کھولا۔ اُس میں سے ہرن کی کھال کے بہت پرانے اور بوسیدہ ورق نکالے۔ اُن اوراق پر اَرنواز جادُوگر کی تحریر تھی۔ لکھا تھا:

"ہر شے کی ایک حد ہے۔ یہ طِلسم بھی ایک روز ٹوٹے گا اور اِسے توڑنے والا ایک خُدا پرست آدمی ہو گا۔ جو شخص اُس وقت طِلسم کا بادشاہ ہو، اُسے چاہیے کہ خُدا پرست کی اِطاعت نہ کرے۔ پہلے قوّتِ بازُو کے ذریعے اُس

سے جنگ کرے اور پھر جادُو سے کام لے۔ جب کسی طرح کام یابی نہ ہو تو دشتِ حیلہ (مکر کا جنگل) میں چلا جائے۔ میں نے اُس دشت میں جادُو کے عمل سے کُچھ ایسے حیلے کیے ہیں جو مدد دیں گے۔ جس حیلے سے کام نکلے غنیمت سمجھے۔

وہ دشت شارستانِ اعظم سے کوئی ایک سو بیس کوس پر ہے۔ اُس کے کنارے ایک بڑی نہر ہے جو کالے رنگ کے پانی سے لبالب بھری ہے۔ نہر کو پار کر کے دشتِ حیلہ میں داخل ہو۔ وہاں سیاہ رنگ کا ایک عالی شان محل ہے۔ اُس محل میں بادشاہ خود قیام کرے اور لشکر کو محل کے چاروں طرف پھیلائے۔ پہلی رات بادشاہ محل کی چھت پر سوئے۔ آدھی رات کے بعد ایک عورت اور ایک مرد سیاہ فام (کالے مُنہ والے) نمودار ہوں گے۔ یہ دونوں شیطان کی اولاد سے ہیں اور وہ بادشاہ کو خُدا پرست سے

جنگ کے طریقے بتائیں گے۔"

جمشید نے یہ پڑھا تو بہت خوش ہوا۔ اُسی وقت لشکر کو لے کر دشتِ حیلہ کی جانب روانہ ہوا۔ راہ میں ایک نہر دکھائی دی جس میں سیاہ رنگ کا پانی لہریں مار رہا تھا۔ نہر کر پار کیا۔ سامنے ہی آسمان سے باتیں کرتا ہوا عالی شان محل دکھائی دیا۔ لشکر کو محل کے چاروں طرف پڑاؤ کا حُکم دیا۔ خود محل میں داخل ہوا۔ پہلی رات کو اَرنواز جادُوگر کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے چھت پر سویا۔ کیا دیکھتا ہے کہ چھت کے فرش اور دیواروں پر بے شمار منتر اور جادُو کے عمل لکھے ہوئے ہیں۔ آدھی رات کے بعد ایک تخت نمودار ہوا۔ اُس پر دو سیاہ فام مرد اور عورت سوار تھے۔ جمشید نے اُٹھ کر اُنہیں سلام کیا۔ انھوں نے پہلے اُس کے سر پر دو دو طمانچے مارے، پھر اُسے طرح طرح کے حیلے بتانے لگے۔

اِدھر شہزادہ اسمٰعیل نے شارستانِ اعظم میں سامع اور عبدالحکیم جِن کو چھوڑا اور خود لشکر کے ساتھ دشتِ حیلہ کی جانب روانہ ہوا۔ مقرّرہ وقت پر لَوحِ زُحل کا مطالعہ کیا۔ لکھا تھا :

"جب جمشید سیاہ قبا کے تعاقب میں سیاہ پانی کی نہر کے قریب پہنچے تو اپنے لشکر کو اُس نہر کا پانی پینے سے منع کرنا۔ خود اُس نہر کے کنارے رُک کر سات دِن تک اسمِ اعظم پڑھنا۔ اِس عرصے میں طرح طرح کی بھیانک شکلیں نمودار ہو کر تمہیں ڈرائیں دھمکائیں گی۔ لیکن اُن کی طرف بالکل توجّہ نہ کرنا۔ جب سات دِن گزر جائیں تو لَوح دیکھ لینا۔"

شہزادے نے حُکم جاری کر دیا کہ کوئی شخص نہر کا پانی نہ پیے۔ دراصل سیاہ فام شیطان کی اولاد نے نہر کے پانی پر ایسا جادُو کیا تھا کہ اگر کوئی شخص اُسے پی لیتا تو اُسی وقت ہلاک ہو جاتا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ لشکر کے جن لوگوں نے

اِس حُکم کی پروانہ کی اور نہر کا پانی پیا یا اُس میں اُتر کر نہائے، وہ اُسی وقت ہلاک ہو گئے۔

شہزادے نے شہر کے کنارے بیٹھ کر اِسم اعظم پڑھنا شروع کیا۔ اِس دوران میں بے شمار بھیانک شکلیں جو شیطانوں کی تھیں شہزادے کو ڈراتی رہیں۔ مگر اُس نے ذرا پروا نہ کی اور برابر اِسم پڑھنے میں لگا رہا۔ آخر وہ صورتیں خود ہی غائب ہو گئیں۔ سات دِن گُزرنے کے بعد لَوح پر نگاہ ڈالی۔ یہ عبارت ظاہر ہوئی:

"اسمِ اعظم پڑھ کر جامِ جم پر دم کرو اور سات جام نہر کے پانی سے بھر کر زمین پر پھینکو۔ آٹھوں جام اس نہر کے سوا کسی اور پانی سے بھر کر اِس کالے پانی میں مِلا دو۔ جادُو کا اثر ٹوٹ جائے گا اور تُم نہر کا پانی ایک دم سفید ہوتے دیکھو گے۔ اُس وقت لشکری سے کہہ دینا کہ اب جس کا جی چاہے،

پانی پیے یا نہر میں نہائے۔ اِس کے بعد نہر پار کرنا۔ دِن کے وقت دُشمن کی فوج کے جِن اور شیطان تُم سے جنگ کرنے آئیں گے۔ تُم خُود اُن کے مُقابلے پر جانا۔ رات کو یہی شیطان تمھارے لشکر سے سپاہیوں کو لے جا کر ہلاک کریں گے۔ اِس مصیبت سے محفوظ رہنے کی تدبیر یہ ہے کہ اِسمِ اعظم پڑھ کر لشکر کے گرد دائرہ کھینچ دو اور تاکید کر دو کہ خُدا کی یاد سے غافل نہ ہوں۔"

شہزادے نے نہر سے جادُو کا اثر دُور کیا۔ اس کا کالا پانی ایک دم سفید ہو گیا۔ پھر تو لشکری خوب نہائے اور جی بھر کر پیاس بُجھائی۔ نہر عبُور کرتے ہی شیطانوں اور جِنوں کا ایک بڑا لشکر مُقابلے پر آیا۔ اُن کی شکلیں جانوروں کی اور جسم انسانوں کے سے تھے۔ کسی کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹتی تھیں تو کسی کے مُنہ سے شُعلے نکلتے تھے۔ شہزادے نے دِن بھر شمشیرِ

جمشیدی چلائی اور اَن گِنت شیطانوں کو قتل کیا۔ اِتنے میں رات ہوئی اور جنگ بند ہو گئی۔ شہزادے کی فوج کے بہت سے سپاہی کنارے پر سوتے تھے۔ آدھی رات کے بعد شیطان آئے اور انہیں مار ڈالا۔ پھر اُن کے خیموں میں آگ لگا دی۔ شہزادے تک یہ خبر گئی۔ اُس نے سپاہیوں کو حُکم بھجوایا کہ دائرے کے اندر رہیں اور کوئی شخص بغیر اجازت باہر نہ نکلے۔

چھ دِن اور چھ راتیں جنگ ہوتی رہی۔ دِن کے وقت شیطان سیاہ فام مرد کی فوج لڑنے آتی تھی اور رات کو شیطان سیاہ فام عورت کی فوج۔ جب دیکھا کہ شہزادے کے قدم بڑھتے ہی آتے ہیں تو ساتویں دِن شیطانوں نے جمشید سیاہ قبا کے سر پر جوتوں کی بارش کی اور کہا:

"اے ناہنجار، تیری وجہ سے ہمارے لشکر تباہ و برباد ہوئے اور اب ہلاک ہونے کی باری ہماری ہے۔ تُو فوراً میدانِ آتش بار (آگ برسانے والا) کی

جانب بھاگ جا۔ وہاں آتش بارِ جن تیری مدد کرے گا۔"

شہزادے نے اِن دونوں سیاہ فام کو بھی شمشیرِ جمشیدی سے قتل کیا۔ اُن کا قتل ہونا تھا کہ شیطانوں کی فوج آپس ہی میں لڑنے لگی۔ آخر سب نے ایک دوسرے کو مار ڈالا۔

جمشید سیاہ قبا میدانِ آتش بار کی طرف بھاگا۔ دیکھا کہ ایک عالی شان محل عقیق سُرخ سے بنا ہوا اُس میدان میں ہے۔ محل کے اندر آتش بارِ جن بیٹھا ہے۔ جمشید نے اُسے سلام کیا اور اپنی مُصیبت کی ساری داستان کہہ سُنائی۔ آتش بارِ جن سخت ناخوش ہوا اور اُٹھ کر ایک دوہتّڑ جمشید کی کھوپڑی پر مارا۔ پھر اُس کے وزیر اکتم کی بھی مرمّت کی اور کہا :

"اے بُزدل، اگر میں نے تیرے دادا اَرنواز جادُوگر سے عہد نہ کیا ہوتا تو تیری کبھی مدد نہ کرتا۔ اب تُو میرے پاس پناہ کے لیے آیا ہے، اِس لیے

تُجھے پناہ دیتا ہوں۔ بے خوف ہو کر اِس محل میں رہ۔"

اُدھر شہزادے نے جب سُنا کہ جمشید سیاہ قبا اپنے لاؤ لشکر سمیت فرار ہوا تو اُس نے لَوحِ زُحل سے مشورہ کیا۔ لوح نے بتایا:

"اے شہزادے، تُو بھی میدانِ آتش بار کی طرف کُوچ کر۔ اُس میدان کے کنارے پر دو درخت ہیں۔ اُن کی شاخیں اور پتّے عقیق سُرخ کی مانند چمکتے ہوں گے۔ لشکر کو اِن درختوں کے قریب نہ جانے دینا۔ آتش بار جِن تیرے لشکر پر جادُو کی آگ برسائے گا۔ تاکید کر دے کہ کوئی شخص دائرے سے نہ نکلے، اور کسی وقت خُدا کی یاد سے غافل نہ ہو، ورنہ ہلاک ہو گا۔ اِس انتظام کے بعد خود اُن درختوں کے نیچے جا کر اسمِ اعظم چار روز تک پڑھنا۔ چوتھے روز دونوں درختوں میں شگاف پڑیں گے اور دو جِن ان شگافوں سے نکل کر تُجھ سے سوال کریں گے کہ اپنا مطلب بتا۔ کِس واسطے

یہاں آیا ہے؟ اُن سے کہنا کہ آئے سرونج جِن اور اے نارنج جِن، مُجھے سُرخ کمان اور آتشی تیر کی ضرورت ہے۔ وہ لا دو۔ یہ سُنتے ہی وُہ تُجھے سُرخ کمان اور آتشی تیر لادیں گے۔"

شہزادے نے تمام لشکر کو ہدایت کی کہ اِن درختوں کے نزدیک نہ جانا اور کوئی شخص دائرے سے باہر قدم نہ رکھے۔ پھر خود اُن درختوں کے پاس جا کر اِسم پڑھنے میں مصروف ہوا۔ سہ پہر کے وقت سُرخ رنگ کا ایک بادل آسمان پر نمودار ہوا اور اُس میں سے آگ کے گولے لشکر پر برسنے لگے۔ شہزادے کے وہ سپاہی جنھوں نے ہدایت پر عمل نہ کیا تھا، آناً فاناً جل کر راکھ ہو گئے۔ تین روز تک یہی حالت رہی۔ لشکر کے کئی ہزار آدمی ہلاک ہو گئے۔

چوتھے روز شہزادے نے اسمِ اعظم پورا کیا۔ سُورج چھُپنے کے بعد اُن

درختوں میں شگاف نمودار ہوا اور دو نوجوان باہر نِکلے۔ ایک کا لباس سُرخ، دوسرے کا سبز تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ اے شہزادے، تُو نے کِس لیے ہمیں تکلیف دی؟ جلد بتا تیری مُراد کیا ہے تا کہ ہم پوری کریں؟ شہزادے نے سُرخ کمان اور آتشی تیر لانے کی فرمائش کی۔ اُنھوں نے پلک جھپکتے میں دونوں چیزیں شہزادے کے حوالے کیں اور دوبارہ انھی درختوں میں جا کر غائب ہو گئے۔

اب شہزادے نے لَوح سے مشورہ کیا لکھا تھا:

"جامِ جم ٹوپی کی طرح اپنے سر پر رکھ۔ جِنوں اور شیطانوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔ کوہستانِ عقیق میں پہنچ۔"

شہزادے نے اُس حُکم پر عمل کیا۔ کوہستانِ عقیق میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ ایک بڑے غار میں آگ روشن ہے۔ اِس آگ میں سے سُرخ دھواں نکل

کر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ یہی دھواں بعد میں آگ کا بادل بنتا ہے اور اِسی میں سے شہزادے کے لشکر پر آگ کے گولے برستے ہیں۔ آتش بار جِن بھی اپنے تین سو جادُوگر غلاموں کے ساتھ وہاں موجود ہے اور منتر پڑھ پڑھ کر آگ پر پھونکتا ہے۔ اِتنے میں کیا دیکھا کہ شیطان کا ایک لشکر اِس آگ میں سے نِکلا۔ اُن کے قد چھوٹے چھوٹے اور لباس سُرخ تھے۔ آخر میں اُن کا بادشاہ تخت پر سوار آگ میں سے برآمد ہوا۔

آتش بار جِن نے ادب سے جھُک کر شیطانوں کے بادشاہ کو سلام کیا اور ہاتھ باندھ کر بولا:

"اے شاہِ جمرا، اِن تین راتوں میں دُشمن کے بہت تھوڑے آدمی ہمارے جادُو سے ہلاک ہوئے ہیں۔ اُمّیدوار ہوں کہ اِس ایک رات میں وہ سب کے سب جل جائیں۔"

یہ سُن کر شیطان کے بادشاہ نے کہا۔ "اے آتش بار، آج کی رات تو مُجھے اپنی اور تیری دونوں کی جان خطرے میں دکھائی دیتی ہے کیوں کہ ہمارا دُشمن خُدا پرست ہے اور خُدائی قوّتیں اُس کے ساتھ ہیں۔ آخر ہم کہاں تک خُدا کا مُقابلہ کر سکتے ہیں جو تمام جہانوں کا خالق اور پروردگار ہے۔"

شاہِ جمرا یہ بات کر ہی رہا تھا کہ اُسے جمائی آئی۔ شہزادے نے فوراً سُرخ کمان میں آتشی تیر رکھ کر جمرا کے مُنہ میں مارا۔ تیر اُس کی گردن سے نکل گیا۔ فوراً اُس کے بدن میں آگ لگ گئی۔ اُس کی فوج کا بھی یہی حشر ہوا۔ شیطان کاغذ کی طرح دھڑ دھڑ جلنے لگے۔

آتش بار جِن نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن شہزادے نے اُسے بھاگنے کا موقع نہ دیا۔ فوراً کمان میں دوسرا تیر رکھ کر مارا۔ وہ بھی آگ میں جل کر بھسم ہو گیا۔ بڑی مُشکل سے اُس کا ایک غُلام بچ کر بھاگا جس کا نام شُعلہ

تھا۔

شُعلہ غلام لرزتا کانپتا جمشید سیاہ قبا کے پاس پہنچا اور ساری کہانی سُنائی۔ مارے ڈر کے جمشید تھر تھر کانپنے لگا۔ اُس نے شُعلہ سے کہا :

”بول !اب میں کیا کروں ؟ کہاں جاؤں ؟ “

تب شُعلہ نے کہا۔ ”گھبراؤ مت۔ میں تمھیں دشتِ فریب (دھوکے کا جنگل) میں لیے چلتا ہوں۔ اُس کا ذکر ارنواز جادُوگر نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ وہاں مکّار جادُوگر کے پاس تمھیں پناہ مل جائے گی۔ “

شہزادے کی گرفتاری

اِس شان دار فتح پر شہزادے نے زمین پر پیشانی رکھ کر شُکر کا سجدہ ادا کیا۔ اِس کے بعد کوہستانِ عقیق کا جائزہ لیا۔ یکایک دو نوجوان سامنے آئے اور فتح کی مبارک باد دی۔ شہزادے نے پوچھا:

"تم کون ہو؟"

اُنھوں نے کہا۔ "ہم سرونج اور نارنج ہیں۔ حکیم آزر کیوان نے جب طِلسمِ

جمشید تیّار کیا تو اپنے چند شاگردوں کو اَرنواز کے حیلوں سے آگاہ کر دیا تھا اور انہیں ہدایت کر دی تھی کہ وقت آئے تو شہزادے کی مدد کرنا۔ ہمارا باپ اَرسخ جن کبھی انہی جِنوں میں سے ایک تھا۔ آزرکیواں نے سُرخ کمان اور آتشی تیر اُسی کے سپرد کیے تھے کہ درختوں سے ظاہر ہو شہزادے کو دینا اور خُداپرستوں کا دین قبول کرنا لیکن ہمارے باپ نے وفات پائی اور ہم اِس خدمت پر مقرّر کیے گئے۔ خُدا کا شُکر ہے ہم نے اپنا فرض ادا کیا۔ اب آپ دشتِ فریب کی جانب تشریف لے جائیں کہ جمشید سیاہ قبا وہیں مکّار جادُوگر کے پاس گیا ہے۔ ہم بھی اپنی قوم میں خُداپرستی کی تبلیغ کر کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ لیکن اتنی نصیحت ہم ضرُور کریں گے کہ مکّار جادُوگر کے مکر اور فریب میں نہ آ جائیے گا۔ خوب چوکنّا اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔"

آتش بار کے غلام شُعلہ نے جمشید کو سرکار کے پاس پہنچا دیا تو اُس نے اِس غم میں کہ اُس کا دوست آتش بار جِن ہلاک ہوا، جمشید اور اُس کے ساتھیوں کی کھوپڑی پر سو سو جُوتے مارنے کا حُکم دیا۔ پھر کہا :

"اے بُزدل باپ کے بُزدل بیٹے، تُو نے کتنے بڑے بڑے جادُوگروں کو مروا دیا اور اب میرے پاس آیا ہے تاکہ میں بھی شہزادہ اسمٰعیل کے ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچوں۔ لیکن تُو جانتا ہے کہ میرا نام بھی مکّار ہے۔ میں اتنی آسانی سے قتل ہونے والا نہیں۔ غور سے سُن کہ میں تیری شکل اختیار کر کے ایک سُرمہ اپنی آنکھوں میں لگاؤں گا۔ اِس سُرمے کی خاصیّت یہ ہے کہ کوئی انسان اور کوئی جِن میری اصلی شکل نہیں دیکھ سکے گا۔ پھر میں شہزادے کے مُقابلے میں نِکلوں گا۔ اگر وہ مُجھ پر غالب آتا دکھائی دیا تو وہاں سے بھاگ کر میدان جاں کاہ میں جاؤں گا۔ وُہ میرے پیچھے

پیچھے آئے گا اور میں اُسے گرفتار کر لوں گا۔ میدان جاں کاہ طِلسم سیاہ کے پیچھے ہے۔ اِس طِلسم کا کمال یہ ہے کہ وہاں لَوحِ زُحل بے کار ہو جائے گی اور شہزادے کو کوئی مشورہ نہ دے سکے گی۔ طِلسم سیاہ پر ایک جادُوگر اِملاق کی حکومت ہے۔ یہ قوم آدم زاد میں سے ہے اور اِس کے قبضے میں بارہ ہزار دیو اور پریاں ہیں اور یہ سب اُسے سجدہ کرتے ہیں۔ وہ شہزادے کو قتل کرے گا۔"

تیسرے دِن شہزادہ دشتِ فریب میں آن پہنچا۔ مکّار نے جُوں ہی شہزادے کے آنے کی خبر سُنی، فوراً اپنی صورت جمشید سیاہ قبا کی بنائی، آنکھوں میں طِلسمی سُرمہ لگایا اور بدن پر ہتھیار سجا کر شہزادے کے مُقابلے میں آیا۔ شہزادہ بھی میدان میں آیا اور جلدی میں لَوحِ زُحل سے مشورہ کرنا بھول گیا۔ مکّار جادُوگر سے لڑائی شروع ہوئی اور جب شہزادہ

اُس پر غالب آتا نظر آیا تو اپنے منصوبے کے تحت مکّار وہاں سے بھاگا۔

شہزادے نے پیچھا کیا یہاں تک کہ دونوں ایک خندق کے قریب پہنچے۔

یہ خندق خاصی گہری اور چوڑی تھی اور اِس میں سے مُشک کی بُو آتی تھی۔

مکّار جادُو کے زور سے اُڑ کر خندق کے پار پہنچا۔ شہزادے نے بھی اپنے گھوڑے پری زاد کو ایڑ لگائی۔ وہ ہوا میں اُڑا اور دوسرے ہی لمحے خندق کے پار پہنچا۔ شہزادہ حیران تھا کہ اِس خندق میں سے مُشک کی بُو کیوں آتی ہے؟ لیکن اِس کا سبب معلوم نہ ہو سکا۔

مکّار نے دیکھا کہ شہزادہ بھی خندق کے پار آگیا تو خُوش ہو کر ناچنے لگا۔ اُسی وقت اپنی اصلی صُورت پر آگیا اور کہنے لگا:

"اے شہزادے، خبردار ہو کہ میں جمشید سیاہ قبا نہیں، مکّار جادُوگر ہُوں۔ جمشید کی شکل بنا کر تُجھے فریب دے دیا اور اب جان لے کہ یہاں تیری

لَوحِ زُحل بالکل بے کار ہے۔"

وہ یہ کہتے ہی غائب ہو گیا۔ شہزادہ سخت پریشان ہوا۔ فوراً جیب سے لَوح نکال کر نگاہ ڈالی۔ کوئی حرف ظاہر نہ ہوا۔ اب تو بڑا گھبرایا۔ واپس خندق کی طرف گیا لیکن کیا دیکھا کہ بے شمار کالے اژدہے سر نکالے بیٹھے ہیں اور اُن کے مُنہ سے آگ کے اُونچے اُونچے شُعلے نکل رہے ہیں۔ مُشک کی بُو اب کافور ہو چُکی تھی۔ شہزادے کے دِل پر دہشت طاری ہوئی۔ مجبور ہو کر اُسی دشتِ فریب میں ایک جانب روانہ ہوا۔

اِملاق جادُوگر مِصر کا رہنے والا تھا اور دُنیا بھر کے جادُوگروں میں اپنے فن کا اُستاد سمجھا جاتا تھا۔ اُس شخص نے جادُو کے زور پر کوہ قاف میں جا کر جِنوں، پریوں کو اپنے قابُو میں کیا اور وہیں ایک طِلسم سیاہ (کالا جادُو) بنا کر اس میں رہنے لگا۔

مکّار نابکار، شہزادہ اسمٰعیل کو طِلسم میں گرفتار کر کے سیدھا اِملاق کے پاس گیا۔ اُس وقت اِملاق جادُو کا کوئی عمل کرنے میں مصروف تھا اور یہ عمل ایک بند مکان میں ہو رہا تھا جہاں داخل ہونے کی کسی کو اجازت نہ تھی۔ خود اِملاق کے باہر آنے میں ابھی تین روز کا عرصہ باقی تھا۔ مکّار جادُوگر نے اِملاق کے شاگردوں سے تمام حال بیان کر کے کہا :

"میں نے بڑی مُشکل سے شہزادہ اسمٰعیل کو طِلسم میں پھنسایا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اُسے مُہلت ملے اور وہ طِلسم سے آزاد ہو جائے۔ ایسے خطرناک دُشمن کو تو ایک لمحے کی بھی مہلت نہ دینی چاہیے۔ جلد اِملاق جادُوگر کو خبر کرو۔"

شاگردوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور مکّار سے کہا کہ ہماری کیا مجال کہ اپنے استاد کے حُکم کی خلاف ورزی کریں۔ تین روز بعد جب اُس کا عمل

پورا ہوگا، تب وہ آپ ہی مکان سے باہر آئیں گے۔ اُس وقت تک تُم انتظار کرو۔

لیکن مکّار میں اِنتظار کی کہاں تاب تھی۔ مِنّت سماجت کر کے اِملاق کے دس شاگردوں کو ساتھ لے گیا۔ اُنھوں نے دیکھا کہ شہزادہ تباہ حال صحرا میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔ کھانے کے لیے کُچھ ملتا ہے نہ پینے کے لیے۔ بھُوک اور پیاس کے ہاتھوں جان لبوں پر ہے۔ یہی حال اُس کے وفادار گھوڑے پری زاد کا ہے۔

جادُوگروں نے شہزادے کو اِس بے کسی کے عالم میں پایا تو خوش ہوئے اور بڑھ کر حملہ کیا۔ شہزادے نے اُن میں سے پانچ کو تو شمشیرِ جمشیدی سے اور دو کو خنجر سے ہلاک کیا۔ ہر چند اُنھوں نے جادُو کرنے کی کوشش کی، مگر لَوحِ زُحل اور جامِ جم کی برکت سے جادُو کا کوئی اثر نہ ہوا۔

مکّار پھر وہاں سے بھاگا اور فریادیوں کی سی صورت بنا کر اِملاق کے دربار میں پہنچا۔ تین دِن بھی گُزر چُکے تھے اور اِملاق اُس مکان میں سے برآمد ہو گیا تھا۔ مکّار نے رو رو کر سارا قصّہ کہہ سُنایا۔ اِملاق اپنے شاگردوں کے مارے جانے کی خبر سُن کر سخت ناراض ہوا۔ آخر خطرہ بھانپ کر ایک ہزار جادُوگر، ایک ہزار دیو اور چار سو کمندیں مکّار کے ہمراہ کیں۔ مکّار نے کمندوں کو دشتِ فریب کے ایک طرف خاک میں چھُپایا اور جادُوگروں نے شہزادے کو ہر طرف سے گھیرا۔ اُس نے بڑی ہمّت کی۔ دو روز تک دِن رات تلوار چلائی اور بے شمار دیووں کو قتل کیا۔ لیکن کہاں تک اکیلا لڑتا۔ آخر گوشت پوست کا بنا ہوا اِنسان ہی تو تھا۔ جادُوگروں نے شہزادے کو گرفتار کر لیا اور اِملاق کے پاس لے گئے۔ اِملاق نے شہزادے سے لَوحِ زُحل اور جامِ جم چھین کر اپنے قبضے میں کیا اور خوش ہو کر کہا :

"اِس قیدی کو آج سے ٹھیک سترہ روز بعد میں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔"

اِس کے بعد اِملاق نے جمشید کو اِجازت دی کہ شہزادے کے لشکر کو قتل کر کے اپنی سلطنت پر دوبارہ قبضہ کر لو۔

اب اُن نوجوان پری زادوں کا حال سُنئے جنھوں نے میدانِ آتش بار میں شہزادے کی مدد کی تھی۔ ایک کا نام سروج سبز پوش اور دوسرے کا نام نارنج سُرخ پوش تھا۔ یہ دونوں بھائی شہزادے سے رُخصت ہو کر اپنے ملک میں گئے۔ اُس ملک کا دارالحکومت قلعہ زر نگار تھا اور کوہِ قاف کے قلعوں میں اِس کا درجہ تیسرا تھا۔ اِسے قلعۂ سوم (تیسرا قلعہ) بھی کہتے تھے۔ یہ دونوں بھائی ستّر ہزار دیووں اور پریوں کے حاکم تھے۔ اُنھوں نے اپنی رعایا کو خُدا پرستی کی تعلیم دی۔ اِس کے بعد دشتِ فریب میں

داخل ہوئے۔ شہزادے کا لشکر وہیں پڑاؤ ڈالے تھا۔ ملک ماہُون اور اِرزق سے ملاقات ہوئی۔ اُنھوں نے بتایا کہ شہزادہ تین روز سے غائب ہے۔ سرونج اور نارنج نے یہ بات سُنی تو بہت رنجیدہ ہوئے اور سمجھ گئے کہ مکّار جادُوگر نے شہزادے کو میدانِ جانکاہ میں گرفتار کیا۔ غرض یہ صلاح ٹھہری کہ نارنج، جمشید سیاہ قبا کے لشکر میں جائے اور صحیح حالات معلوم کر کے میدانِ جانکاہ میں داخل ہو۔ اُدھر سرونج کوہِ اخضر پر جائے جو ٹھکانا ہے حضرت خِضر علیہ السّلام کا، اور حضرت خِضر سے مدد حاصل کرے۔

کوہِ اخضر وہاں سے کوئی سو برس کی راہ پر تھا۔ یعنی اگر اِنسان چاہے کہ حضرت خِضر سے وہاں ملاقات کرے تو کوہِ قاف سے کوہِ اخضر تک کا درمیانی فاصلہ سو سال میں طے کرے۔ ظاہر ہے کسی انسان کے لیے، کرشمے کے بغیر یہ محال ہے۔ مگر پری زادوں کو قدرت نے ایسی طاقت

بخشی ہے کہ وہ برسوں کا فاصلہ مہینوں میں اور مہینوں کا دِنوں میں، اور دِنوں کا چند گھڑیوں میں آسانی سے طے کر لیتے ہیں۔

چناں چہ سرونج پری زاد نے خُدا کا نام لیا اور آسمان کی طرف اُڑا، اور اتنا اونچا چلا گیا کہ ایک ننھّے تارے کی مانند زمین سے دِکھائی دینے لگا۔ جب اُڑتے اُڑتے تھک جاتا تو نیچے اُتر کر کہیں آرام کرتا، بھوک پیاس دُور کرنے کا کُچھ اِنتظام کرتا اور پھر روانہ ہو جاتا۔

دو ماہ بعد کوہِ اخضر دِکھائی دیا۔ یہ ایک عالی شان پہاڑ تھا جس کی چوٹی آسمان کو چھُوتی نظر آتی تھی۔ اوپر سے لے کر نیچے تک سارا پہاڑ سر سبز تھا۔ شاید اِسی لیے اُس کا نام اخضر رکھا گیا تھا۔ سبز رنگ کو عربی زبان میں اخضر کہتے ہیں۔

اِس پہاڑ کو دیکھ کر سرونج کو کوہِ زمرّد یاد آیا۔ وہ بھی ایسا ہی عالی شان پہاڑ

تھا۔ لیکن کوہِ اخضر کے مُقابلے میں کسی قدر چھوٹا۔ خیر، اِس کوہ پر سبز
رنگ کے قیمتی پتھرّ سے بنی ہوئی ایک مسجد تھی جسے خِضر علیہ السّلام کی مسجد
کہتے تھے۔ مشہور تھا کہ دِن رات کے چوبیس گھنٹوں میں حضرت خِضر علیہ
السّلام ایک بار اِس مسجد میں ضرور تشریف لاتے ہیں۔ لیکن اُن سے
مُلاقات کے خواہش مند کو پہلے ایک کڑے امتحان سے گزرنا پڑتا تھا، اور وہ
امتحان یہ تھا کہ مسجد کے اندر جائے اور چوبیس گھنٹے تک برابر جاگتا رہے۔
ایک لمحے کے لیے بھی آنکھ بند نہ کرے، جو شخص اِس آزمائش میں کام
یاب ہو، اُس کی ملاقات حضرت خِضر سے یقینی ہے۔ لیکن یہ کام اتنا
آسان نہ تھا کیوں کہ جوں ہی خِضر علیہ السّلام کو دیکھنے اور اُن سے ملنے کا کوئی
خواہش مند مسجد میں جاتا اس پر آپ ہی آپ نیند کی حالت طاری ہونے
لگتی۔

سرونج کو یہ بات معلوم تھی اور وہ حیران تھا کہ یہ کیوں کر مُمکن ہے چوبیس گھنٹے میں ایک بار بھی آنکھ نہ جھپکے اور نیند کا جھونکا نہ آئے۔

چوں کہ اُس کی نیّت اچھّی تھی اور وہ ایک نیک کام کے اِرادے سے حاضر ہوا تھا اِس لیے خُدا نے اس کی مدد کی۔ یکایک سرونج نے مسجد کے باہر ایک درخت کے تلے اپنے مرحوم باپ راسخ شاہ کو کھڑے دیکھا۔ دہشت کے مارے وہ کانپنے لگا۔ اُسے یاد آیا کہ والد کو انتقال کیے سال ہا سال گُزر گئے ہیں۔ لیکن وہ تو اُس کی نگاہوں کے سامنے زندہ سلامت موجود تھے۔ ابھی وہ اِسی حیرت میں گُم تھا کہ راسخ شاہ نے مُسکرا کر کہا:

"سرونج بیٹے، خوف نہ کھاؤ۔ خُدا کے حُکم سے میں آیا ہوں تاکہ تمھاری مدد کروں۔ یہ ایک اِسم تمھیں سکھاتا ہوں۔ مسجد میں جاتے ہی اُسے پڑھنا شروع کر دینا۔ اِس اِسم کی برکت سے نیند تمھارے قریب نہ پھٹکے گی۔"

سرونج پری زاد نے وہ پاک اِسم اپنے باپ سے حاصل کیا۔ پھر وُضُو کر کے مسجد کے اندر گیا اور اِسم پڑھنے لگا۔ تھوڑی دیر پہلے اِس دور دراز سفر کے باعث اُس پر تھکن کی جو حالت طاری تھی، وہ ایک دم دُور ہو گئی اور وہ اپنے آپ کو ہر طرح تر و تازہ محسوس کرنے لگا۔ ساری رات اِسم پڑھتا رہا۔ ایک لمحے کے لیے بھی نیند تو کیا، پلک تک نہ جھپکی۔

سورج نکلنے سے پہلے حضرت خِضر مسجد میں تشریف لائے اور اِن دونوں نے صُبح کی نماز ادا کی۔ پھر حضرت خِضر نے سرونج سے آنے کا مقصد پوچھا۔ اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا :

"شہزادہ اسمٰعیل خُدا پرست اِس وقت مُصیبت میں گرفتار ہے۔ مکّار جادُو گر نے اُسے دشتِ فریب میں قید کیا ہے۔ لَوحِ زُحل کوئی مشورہ نہیں دیتی۔ آپ مدد فرمائیے۔"

یہ سُنتے ہی حضرت خِضر نے مشرق کی طرف مُنہ کر کے چُپکے چُپکے کُچھ پڑھا۔ ایک لمحے بعد نہ جانے کہاں سے دُبلا پتلا، چھوٹے قد کا ایک آدمی نمودار ہوا۔ اُس کی کھال کا رنگ ہلدی کی طرح زرد تھا۔ چھوٹا سا سر، لمبے لمبے بازو اور ناف تک پھیلی ہوئی داڑھی۔

اِس عجیب و غریب آدمی نے آتے ہی جھُک کر سلام کیا اور کہا۔ "حضرت، کیا حُکم ہے؟ غُلام کو کس لیے یاد فرمایا؟"

خِضر علیہ السّلام نے کہا۔ "اے مارُود شیطان، سُلطان مہدی کا بیٹا شہزادہ اسمٰعیل اِس وقت دشتِ فریب میں بھٹک رہا ہے۔ میدانِ جانکاہ کے جادُوگروں نے اُسے گھیر رکھا ہے۔ کسی طرف نکلنے نہیں دیتے۔ شہزادے کو اُن کی قید سے نجات دِلا اور لَوحِ زُحل کو بھی آزاد کرنے کا طریقہ بتا۔ اِس کے علاوہ انگشتری اِطاعت (فرماں برداری کی انگوٹھی)

بھی سرونج کے حوالے کر۔"

ماروُد شیطان نے ادب سے گردن جھُکا لی، پھر اپنے سر کے بالوں میں سے چند بال اُکھیڑے اور اُن سے ایک انگشتری (انگوٹھی) سی بنا کر سرونج کو دی۔ خِضر علیہ السّلام نے فرمایا:

"اے سرونج، اس انگشتری کو حفاظت اور احتیاط سے اپنے پاس رکھ، جب تیرا کام نکل جائے، تب انگشتری ماروُد مردود کو واپس دے کر رُخصت کرنا۔"

یہ کہہ کر حضرت خِضر تشریف لے گئے۔ ماروُد شیطان میدانِ جانکاہ کی جانب روانہ ہوا اور سرونج سے کہہ گیا کہ میں ابھی جا کر شہزادے کو آزاد کرتا ہوں۔ اِس عرصے میں تُم یہیں خانۂ خُدا میں قیام کرو۔

میدانِ جانگاہ کے جس قید خانے میں جادُوگروں نے شہزادے کو قید کر رکھا تھا، اُس کے چاروں طرف اتنا کڑا پہرا تھا کہ پرندہ بھی پَر نہیں مار سکتا تھا۔ مارُود نے جاتے ہی ایسا جادُو پھُونکا کہ تمام پہرے دار ایک دوسرے کے جانی دُشمن ہوئے اور آپس میں لڑنے لگے۔ آخر لڑ لڑ کر سب ختم ہوئے۔ مارُود قید خانے میں داخل ہوا، دیکھا کہ شہزادہ ایک گوشے میں غمگین اور اُداس بیٹھا ہے۔ مارُود نے اُس سے ہنس کر کہا:

"میاں صاحب زادے، تُم اِس طِلسم کے فاتح ہو۔ اِتنے اُداس کیوں بیٹھے ہو؟ زنجیر توڑو اور آزاد ہو جاؤ۔ بھلا تمھیں قید کرنے کی ہمّت کِس میں ہے۔"

شہزادے نے اِسمِ اعظم پڑھ کر جوں ہی زور لگایا لوہے کی موٹی موٹی زنجیریں اور کڑے مکڑی کے جالے کی طرح ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے

اور شہزادہ آزاد ہو گیا۔ مارُود وہاں سے شہزادے کو کوہستان لے گیا اور کہا:

"شہزادے، تُم یہاں آرام کرو۔ میں ابھی تمہارے ہتھیار لے کر حاضر ہوتا ہوں۔"

شہزادے نے حیرت سے پوچھا۔ "اے شخص، تُو کون ہے اور مُجھ پر یہ احسان کرنے کا مقصد کیا ہے؟"

مارُود یہ سُن کر ہنسا اور بولا، "اے شہزادے، میں وہ شخص ہوں جو انسانوں پر کبھی احسان نہیں کیا کرتا لیکن کیا کروں۔ یہ کام کرنے پر مجبور ہوں۔ ایک عالی شان بزُرگ نے وُہ میخ میری کھوپڑی میں ٹھونکی ہے کہ اُن کے حُکم کی تعمیل کرنے پر ہر وقت حاضر ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ غائب ہوا۔ شہزادہ کُچھ سمجھا، کُچھ نہ سمجھا۔ حیرت زدہ ہو کر خاموش رہا۔ اب کُچھ حال نارنج سُرخ پوش کا سُنئے کہ اُس نے کیا کارنامہ انجام دیا۔ اُس نے پہلے اپنی صُورت بدلی، پھر جمشید سیاہ قبا کی بارگاہ میں پہنچا۔ وہاں اُسے معلوم ہوا کہ مکّار جادُو نے آنکھ میں طِلسمی سُرمہ لگایا اور خُود جمشید کی شکل بنا کر شہزادے سے مُقابلے کے لیے آیا۔ پھر اُسے دھوکے سے میدانِ جانکاہ میں گرفتار کیا۔ اب وہ طِلسمی سُرمہ مکّار کی بیوی ذمیمہ جادُوگرنی کے قبضے میں ہے۔

رات ہوئی تو نارنج روتا پیٹتا ذمیمہ کے گھر گیا اور اُسے اپنی مُصیبت کی ایک فرضی داستان سُنا کر طِلسمی سُرمہ طلب کیا۔ ذمیمہ کو اُس کی حالت پر ترس آیا اور تھوڑا سا سُرمہ اُس کو دے دیا۔ اُس نے فوراً سُرمہ آنکھوں میں لگایا اور دُوسروں کی نظروں سے اوجھل ہو کر میدانِ جانکاہ میں داخل ہوا۔

اِس میدان کی وُسعت دیکھ کر نارنج کے ہوش اُڑ گئے۔ کئی ہزار میل سفر کیا مگر کُچھ آثار شہزادے کے دِکھائی نہ دیے۔ آخر ایک مقام پر پہنچا۔ وہاں لکڑی کا بنا ہوا ایسا تابُوت نظر آیا جس میں میّت کو بند کر کے لے جاتے ہیں۔ اُس تابوت کے اِرد گرد بہت سے لوگ گریبان پھاڑے، سینہ پیٹتے چلے جاتے تھے۔ نارنج بھی اُن میں شامل ہو گیا لیکن لوگوں نے طِلسمی سُرمے کی وجہ سے اُس کو بالکل نہ دیکھا۔ تابوت کے اندر ایک نوجوان ارسیس کی لاش بند تھی جو اِملاق جادُوگر کا بیٹا تھا۔ ایک شخص نے روتے ہوئے کہا:

"ہائے! اِملاق جادُو کو اپنے بیٹے ارسیس کے مرنے کا بڑا صدمہ پہنچا ہے۔ لیکن سُنا ہے کہ قابیل دیوتا اُسے ارسیس کے بدلے میں دوسرا بیٹا عطا کرے گا۔"

یہ سُن کر دوسرے نے جواب دیا :

"تُم نے غَلَط سُنا ہے۔ قابیل دیوتا نے اِملاق سے وعدہ کیا ہے کہ ہم ارسیس کو دوبارہ زندہ کر دیں گے بشرطیکہ تُم طِلسم جمشید کے فاتح شہزادہ اسماعیل کو قتل کرو۔"

یہ سُنتے ہی نارنج وہاں سے بھاگا اور اُس بُت خانے میں پہنچا جہاں قابیل دیوتا کا بُت دھرا تھا۔ اُس نے بُت کو جادُو کے ذریعے غائب کیا اور خود بُت کی شکل بن کر اِملاق کے دربار میں گیا۔ جِس وقت اِملاق نے اپنے خُداوند کی صورت دیکھی، ہیبت سے تھرّا کر سجدے میں گِر گیا اور اُس کے پاؤں چومتے ہوئے بولا :

"اے خداوند، میں تیری اولاد سے ہوں لیکن اِس تمام مدّت میں تُو نے ایک مرتبہ بھی اپنی صورت مُجھے نہ دِکھلائی۔ تُو جانتا ہے کہ میرا جوان بیٹا

ارسیس مر گیا۔ مُجھے اُس سے بہت کام لینے تھے اور وہی میرا جانشین ہوتا۔ اب بتا میں کیا کروں؟"

یہ کہہ کر اِملاق جادُو پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگا۔ نارنج نے، جو قابیل بُت کی صُورت بن کر آیا تھا، اِملاق کے سر پر ہاتھ رکھا اور بھاری آواز میں بولا:

"اے اِملاق، تیسری شکایت فضول ہے۔ ہم سوائے مُشکل وقت کے اور کبھی ظاہر نہیں ہوتے۔ تُو چُوں کہ ہمارا پُرانا پُجاری ہے اور تُو نے ہماری بہت پُوجا کی ہے، اِس لیے ہم خُوش ہو کر تیرے پاس چلے آئے۔ ارسیس کے مرنے کا ہمیں بھی رنج ہے۔ ہم اُسے پسند کرتے تھے، اِس لیے ہم نے اُسے اپنے پاس بُلا لیا۔ لیکن تُو صبر نہیں کرتا تو اُسے تیری خاطر پھر زندہ کر دیں گے۔ دو شرطیں ہیں۔ بول، کیا تُجھے وہ شرطیں منظور ہیں؟"

اِملاق نے قابیل کے پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ تمام شرطیں منظور ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ارسیس ہر صورت میں جی اُٹھے۔ یہ سُن کر قابیل نے قہقہہ لگایا اور بولا: "اچھّا، اب میری ہدایت پر عمل کر۔ ایک ایسا شخص تلاش کر کے لا جو قوم جنّات میں سے ہو اور جادُو بھی جانتا ہو۔ وہ تیرے لشکر میں تازہ تازہ آیا ہو اور اُس نے کِسی ایسے اِنسان کو قید بھی کرایا ہو جو طِلسم جمشید کو تباہ کرنے کا اِرادہ رکھتا ہو۔ اُس جِن کو فوراً اپنی تلوار سے قتل کر۔ اُس کی لاش کُتّوں کو کھِلا اور اُس کا خون ارسیس کے تابوت پر چھِڑک دے۔ دوسرے دِن تُو ارسیس کو زندہ پائے گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جب ارسیس زندہ ہو جائے تو اپنی جگہ اُسے تخت پر بِٹھا کر جو کچھ وہ حُکم دے، اُس پر عمل کر۔ اگر تُو نے اِس شرط کی خلاف ورزی کی تو اُسی وقت ہلاک ہو گا۔"

یہ کہہ کر خُداوند قابیل اِملاق کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اُسی وقت مکّار جادُو املاق کے سامنے آیا۔ اِملاق نے خُداوند قابیل کی پہلی شرط پر غور کیا تو اِسی جِن میں تمام باتیں موجود پائیں۔ فوراً تلوار نکال کر مکّار کا سر قلم کیا اور غُلاموں کو حُکم دیا کہ اُس کی لاش کُتّوں کے سامنے ڈال دیں۔ پھر ارسیس کے تابوت پر مکّار کے بدن سے نکلنے والا خون چھڑکا۔

اُدھر آدھی رات کو نارنج پھر تابوت کے قریب آیا اور اُس میں سے ارسیس کی لاش نکال کر جنگل میں درندوں کے کھانے کے لیے پھینک دی۔ پھر خُود اُس کی صُورت بنائی اور طِلسمی سُرمہ آنکھوں میں لگا کر تابوت کے اندر لیٹ گیا۔

مَلِکہ دِل اَفروز

دوسرے روز اِملاق اپنے تمام سرداروں اور جادُوگروں سمیت ارسیس کا تابوت کھولنے آیا۔ جُوں ہی اُس نے تابوت کا ڈھکنا اٹھایا، نارنج اُٹھ کھڑا ہوا اور ابّا جان کہہ کر اِملاق کے گلے سے لپٹ گیا۔ اِملاق کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ بڑی دھوم دھام سے نارنج کو ارسیس جان کر اپنے محل میں لے گیا اور قابیل خُداوند کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اُسے تختِ شاہی پر

بِٹھایا۔

نارنج نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے انسانوں اور جِنوں کو الگ الگ کیا۔ پھر اُن میں سے جادُوگروں اور غیر جادُوگروں کی تقسیم کی۔ پھر آہستہ آہستہ انھیں خُداپرستی کی تعلیم دی۔ اِس طرح جاں نثاروں کی ایک بڑی جماعت اُس کے گرد اکٹّھی ہوگئی۔

اب پھر شہزادے کی خبر لیجیے کہ اُس پر کیا بیتی۔ جس رات مارُود شیطان نے حضرت خِضر علیہ السّلام کے حُکم سے شہزادے کو قید خانے سے نجات دِلائی، اُس سے اگلے روز جادُوگروں کی عید تھی۔ اس روز حضرت آدم علیہ السّلام کے بڑے بیٹے قابیل نے اپنے چھوٹے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا اور یہ دُنیا میں انسان کا سب سے سے پہلا قتل تھا۔ یہ سب جادُوگر قابیل کو مانتے تھے اور ہابیل کی نسل کے دُشمن تھے۔ اُنھوں نے طے کیا تھا کہ

اُسی روز شہزادے کو موت کے گھاٹ اُتاریں گے۔

نارنج پری زادنے جو طِلسمی سُرمے کی وجہ سے ارسیس بنا ہوا حکومت کر رہا تھا، اُس رات ایک عظیم الشّان جشن منائے جانے کا حُکم دیا۔ طرح طرح کے لذیذ کھانے کھائے گئے اور سب جادُوگروں کی دعوت کی۔ اِن کھانوں میں نارنج نے بے ہوشی کی دوا ملا دی۔ جب جادُوگروں نے کھانا کھایا اُسی وقت غش کھا کھا کر گِرے اور تن بدن کی سُدھ نہ رہی۔ نارنج نے اِتنی احتیاط کی کی کہ اُن سب کے ہونٹوں پہ پتھرؔ کا موم چپکا دیا تاکہ ہوش میں آئیں تو منتر نہ پڑھ سکیں۔

کوہ قاف کے بعض مقامات پر پتھرؔ کا یہ عجیب و غریب موم مل جاتا ہے۔ اُس کا اثر یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی انگلیوں یا ہونٹوں پر لگا دو تو ہوا لگنے سے ایسا چپک جاتا ہے کہ جب تک چاقُو سے اُنگلیاں یا ہونٹ نہ کاٹے جائیں،

الگ الگ نہ ہوں۔

اِس کارروائی کے بعد نارنج نے شہزادے کے ہتھیار، لَوح اور جام حاصل کیے۔ پھر اپنے اُن ساتھیوں کو لے کر، جنھوں نے دینِ حق قبول کیا تھا، کوہستان میں واپس چلا گیا۔ اُس وقت تک شہزادہ قید خانے میں تھا۔ مارُود شیطان بھی شہزادے کے ہتھیار لینے کے لیے کوہستان کی جانب آتا تھا۔ اُس نے نارنج کر آواز دی کہ لَوحِ زُحل اور جام مُجھے دو تاکہ اُس کے مالک تک پہنچاؤں۔ نارنج نے حیرت سے اُس زرد رنگ کے بونے کو دیکھا اور پوچھا:

"تو کون بدذات ہے، اور اِن چیزوں کا مالک کہاں ہے؟"

مارُود یہ سُن کر ہنسا اور کہنے لگا۔ "میں تُجھے خوب جانتا ہوں۔ یہ تیرا طِلسمی سُرمہ مُجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔ تُو نارنج پری زاد ہے۔ خوش خبری سُن

کہ تیرا بھائی سرونج سبز پوش حضرت خِضر علیہ السّلام کی خدمت میں پہنچا اور حضرت خِضر نے مُجھ کو تیرے بھائی کا تابع کیا تاکہ شہزادہ اسمٰعیل کو جادُوگروں کی قید سے نجات دُوں۔ چناں چہ میں یہ خدمت بجا لایا۔ آ تُجھے شہزادے کے پاس لے چلوں۔"

نارنج سُرخ پوش شہزادے کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوحِ زُحل، جامِ جم اور ہتھیار نذر کیے۔ شہزادے نے اُسی وقت بارگاہِ الٰہی میں دو نفل نماز شکرانہ ادا کی۔ ہتھیار بدن پر لگائے اور لَوح کو بوسہ دے کر اُس سے مشورہ چاہا۔ مگر کوئی عبارت ظاہر نہ ہوئی۔ مارُود نے کہا کہ ابھی کُچھ کام باقی ہے۔ اِس کے بعد ہی لَوح اپنا کام شروع کرے گی۔ میں فی الحال سرونج کے پاس جاتا ہوں تاکہ اُسے آپ کے آزاد ہونے کی خوش خبری دیں۔

اب اُن جادوگروں کا حال سُنئے جنھیں نارنج نے بے ہوش کر کے اُن کے

ہونٹوں پر پتھرّ کا موم چپکا دیا تھا۔ اُن ہی میں اِملاق جادُو بھی تھا۔ کُچھ عرصے بعد اُن سب کو ہوش آیا تو اپنے آپ کو عجب بدحالی میں گرفتار پایا۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھ دیکھ کر غُوں غُوں کی آوازیں حلق سے نکالتے تھے۔ بڑی مُشکل سے بولنے کے قابل ہوئے۔ اِملاق اِتنا شرمندہ تھا کہ کِسی سے آنکھیں چار کرنے کی ہمّت نہ تھی۔ جادُوگر اُسے لعنت ملامت کر رہے تھے۔

اِتنے میں قید خانے کا نگران روتا پیٹتا خاک اُڑاتا حاضر ہوا اور چوکیداروں میں فساد ہونے اور شہزادے کے نجات پانے کا واقعہ سُنایا۔ اِملاق نے جو دیکھا تو لَوحِ زُحل اور جام کو بھی نہ پایا۔ اُسی وقت اپنے ایک شاگرد افغان جادُو کو حُکم دیا کہ شہزادے کا سُراغ لگاؤ اور جہاں دِکھائی دے فوراً ہمیں اِطّلاع دو۔ خود لشکر سمیت شہر کے باہر آیا اور شہزادے کی تلاش میں چلا۔

ایک مقام پر اُس نے شہزادے کو بیٹھے دیکھا۔ لشکریوں کو حُکم دیا کہ شہزادے کو قتل کر دو۔ وہ سب کے سب حملے کے لیے دوڑے۔ شہزادہ اُس وقت اکیلا تھا۔ اُس نے گردن اُٹھا کہ خُدا کی بارگاہ میں مدد کی درخواست کی۔ اُسی وقت بادلوں کی ایک فوج میں سے سر ونج لشکر لے کر نمودار ہوا اور اِملاق کی فوج پر حملہ کیا۔ زبردست جنگ ہوئی۔ شہزادے نے شمشیرِ جمشیدی سے اِملاق جادُو کو قتل کیا۔ پھر شہر میں آ کر تخت پر قبضہ کیا۔ دس ہزار جِنوں اور پریوں اور انسانوں نے شہزادے کی اِطاعت قبول کی اور قلعۂ اطلاقیہ کا اِنتظام بھی شہزادے کے سپرد کیا۔

اِس دوران میں سر ونج نے مارُود شیطان کو شہزادے کی خدمت میں پیش کیا۔ وہ شہزادے کو میدانِ جانکاہ کے بیچ میں لے گیا۔ دیکھا کہ زمین کا ایک قطعہ ہے۔ بارہ گز لمبا، بارہ گز چوڑا۔ اور اُس کا رنگ توے کی مانند سیاہ

ہے۔ اُس میں سے اتنی گرمی اُٹھ رہی تھی کہ اگر کچّا گوشت پھینک دیا جائے تو اُسی وقت بھُن جائے۔ مارُود شیطان نے اِملاق جادُو کا کلیجا اور دِل اُس زمین پر پھینک دیا۔ اُن کے زمین پر گِرتے ہی سیاہ رنگ کا گاڑھا گاڑھا دُھواں پیدا ہوا اور اُس دُھوئیں نے تمام میدان میں اندھیرا کر دیا۔ شہزادے نے اپنے دوستوں کے ساتھ میدان کے کنارے پر قیام کیا۔ تین روز تک اندھیرا چھایا رہا۔ جب ہوا صاف ہوئی، مارُود شہزادے کو وہاں لے گیا۔ ایک کنواں اُس زمین میں ظاہر ہوا۔ مارُود نے سیاہ رنگ کے ایک پرندے کو ذبح کر کے اُس کا خون کنویں میں گرایا۔ اچانک ایک اژدھا کنویں میں پیدا ہوا۔ اُس نے وہ خون چاٹ کر کنویں سے سر باہر نکالا۔ مارُود نے کٹا ہوا پرندہ بھی اُس کے مُنہ میں ڈال دیا۔ اژدھا کنویں کی تہہ میں چلا گیا۔ پھر آسمان پر کالی گھٹا چھا گئی۔ تین دِن تک موسلا دھار

بارش ہوئی لیکن حیرت تھی کہ بارش میدانِ جانکاہ کے اندر اندر ہو رہی تھی۔ میدان سے باہر پانی کا ایک قطرہ بھی نہ پڑا تھا۔

آہستہ آہستہ تمام صحرا کا پانی اِس کنویں میں اُتر گیا۔ دیکھتے دیکھتے میدان کا رنگ بدلنے لگا اور سیاہ سے سبز ہو گیا۔ مارُود نے عرض کیا کہ اے شہزادے، اِس میدان کی نحوست دُور ہوئی اور اب لَوح کا حُکم جاری ہوا۔ شہزادے نے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ پھر لَوح پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اے شہزادے، تُو نے غفلت کی اور لَوح نہ دیکھی۔ اِس لیے مکّار جادُو کے فریب میں آن کر اتنی تکلیف اُٹھائی۔ اب اِسی کنویں میں، جہاں زَبرجَد کی کان پیدا ہوئی ہے، خُدا کا نام لے کر کود جاؤ۔ جس مقام پر ڈر لگے، وہیں لَوح کو دیکھ لینا۔"

شہزادے نے مارُود کو رُخصت کیا، سرونج اور نارنج کو بھی اُن کے وطن

جانے کی اجازت دی اور خود کنوئیں میں داخل ہوا۔ جوں ہی کنویں میں اُترا، ایک گوشے سے اژدہے نے نمودار ہو کر حملہ کیا۔ شہزادے نے شمشیرِ جمشیدی ماری۔ اژدہا زخم کھا کر ایک طرف بھاگا۔ اگرچہ کنویں میں کوئی راہ نہ تھی لیکن اژدہا جس قدر آگے بڑھتا تھا، اسی قدر کنویں میں ایک سُرنگ بنتی جاتی تھی۔

دیر تک شہزادہ اژدہے کا پیچھا کرتا رہا، یہاں تک کہ ایک چشمے پر پہنچ کر اژدہا اُس میں کودا اور غائب ہو گیا۔ شہزادہ بھی اُس کے پیچھے پیچھے آنکھیں بند کر کے چشمے میں کود پڑا۔ جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا زمین خُشک ہے اور ایک بھاری بھرکم زخمی دیو ہاتھ میں دس من وزنی پتھّر لیے کھڑا ہے۔ اُس نے للکار کر کہا۔

"خبردار! وہیں رُک جا۔ اگر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو یہ پتھّر مار کر تیری

کھوپڑی پاش پاش کر دوں گا۔“

شہزادے نے جلدی سے لَوح پر نگاہ ڈالی لکھا تھا :

”فکر نہ کر۔ یہ وہی اژدہا ہے جسے تو نے اپنی تلوار سے زخمی کیا تھا۔ بے خوف ہو کر اِسے قتل کر۔“

شہزادے نے شمشیرِ جمشیدی کا وار کیا۔ دیو کا دوسرا بازو بھی دھڑ سے الگ ہوا۔ دیو دھڑام سے نیچے گِرا اور تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ شہزادہ وہاں سے روانہ ہوا۔ یکایک مُشک کی خوش بُو ناک میں آئی کہ دماغ معطّر ہو گیا۔ تھوڑی دور اور گیا تھا کہ ایک دِل فریب باغ دِکھائی دیا، جس میں درخت بہت خوش نما تھے۔

شہزادہ خُوش ہو کہ اِن درختوں کے سائے میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ جہاں

تک نظر کام کرتی ہے، دونوں راستوں پر بیدِ مُشک کے درخت پھیلے ہوئے ہیں اور ہر درخت پھولوں سے لدا کھڑا ہے۔ ہر درخت کے نیچے پانی کا ایک چشمہ بھی جاری تھا۔ باغ میں جا بجا سونے چاندی کی خوب صورت کرسیاں بچھی تھیں۔ کہیں کہیں چھوٹے چھوٹے ہرن بھی کُلیلیں کرتے نظر آتے تھے۔ ہزارہا قسم کے حسین پرندے اُن کے علاوہ تھے، جو درختوں کی شاخوں پر بیٹھے چہچہا رہے تھے۔

شہزادے نے حیرت سے دیکھا کہ ہر درخت کے قریب سو برس کی ایک ایک بڑھیا بھی بیٹھی ہے۔ شہزادہ ایک بُڑھیا کے پاس گیا اور سلام کیا۔ اُس نے جواب دینا تو ایک طرف، گردن اُٹھا کر بھی نہ دیکھا کہ کون ہے۔ شہزادے نے پھر سلام کیا۔ بُڑھیا نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا۔ تب شہزادے نے کہا:

"امّاں جان، اِس غرور و تکبّر کی بھی کوئی انتہا ہے۔ کیا تمھارے مذہب میں سلام کا جواب دینا بھی گناہ ہے؟"

یہ سُن کر بُڑھیا نے گھورنے اور مُنہ بنانے کے بعد کہا:

"اے نوجوان، کیوں میرا مغز چاٹتا ہے؟ تُجھے مُجھ سے کیا کام ہے؟"

"امّاں جان، میں بہت بھوکا ہوں۔" شہزادے نے کہا۔ "کوئی کھانے کی چیز ہو تو مُجھے دو۔"

بُڑھیا نے تالی بجائی۔ اُسی وقت آسمان سے ایک دستر خوان نمودار ہو کر شہزادے کے سامنے بِچھ گیا۔ پھر دیکھتے دیکھتے اُس پر سونے چاندی کی قابوں میں طرح طرح کے لذیذ کھانے سج گئے۔ نان، کباب، قورمہ، پلاؤ، بریانی، شیر مال، شامی کباب، کھیر، اور نہ جانے کیا کیا۔ شہزادے نے

ایسا مزے دار کھانا پہلے کبھی نہ کھایا تھا۔ جب پیٹ بھر گیا تو وہ دسترخوان اور خالی برتن خُود بخُود غائب ہو گئے۔ شہزادے نے کہا :

"اے امّاں جان، اِس مہربانی کا بہت بہت شکریہ۔ اب یہ فرمائیے کہ اِس جگہ کا نام کیا ہے اور اِس کا مالک کون ہے ؟"

"اے نوجوان، یہ طِلسم سیاہ کی سرحد ہے اور یہ باغ طِلسم کی مَلِکہ کی سیر گاہ ہے۔ یہ سونے چاندی کی کُرسیاں جو تُجھے نظر آتی ہیں، مَلِکہ کی سہیلیوں کے لیے ہیں۔"

"امّاں جان، مَلِکہ کس وقت یہاں تشریف لاتی ہیں ؟"

"ارے میاں، جب اُس کا جی چاہتا ہے چلی آتی ہے۔ کوئی وقت مقرّر نہیں ہے۔ کبھی صُبح، کبھی شام اور کبھی سہ پہر کے وقت۔"

"اچھا، یہ بتائیے کہ بَید مُشک کے یہ درخت کہاں تک چلے گئے ہیں۔"

"تین روز کی راہ تک ہیں۔" بُڑھیا نے کہا۔ "اِس کے بعد طِلسم کا دروازہ ہے۔"

یہ سُن کر شہزادہ وہاں سے ہٹ گیا اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر مَلِکہ کا انتظار کرنے لگا۔ بیٹھے بیٹھے صُبح سے شام، شام سے رات اور رات سے پھر صُبح ہو گئی۔ لیکن مَلِکہ کا دُور دُور تک نام و نشان نہ تھا۔ انتظار کر کے شہزادہ تنگ آ گیا۔ یکایک چند آدمی ہاتھوں میں کھانے کے خوان اُٹھائے نمودار ہوئے۔ بُڑھیا نے شہزادے کو آواز دی اور بُلا کر ایک خوان اُس کے آگے رکھنے کا حُکم دیا۔ کُچھ کھانا باغ میں پھرنے والے ہرنوں کے آگے ڈالا۔ شہزادے نے جی بھر کر کھایا۔ اِس مرتبہ کھانا پہلے سے بھی زیادہ لذیذ تھا۔ آخر شہزادے نے پوچھا:

"اے امّاں جان، مَلِکہ کہاں رہتی ہے اور اُس کا مقام کتنے فاصلے پر ہے؟"

"وہ شہر عجبستان میں رہتی ہے۔" بُڑھیا نے کہا "واقف آدمی کے لیے وہ مقام زیادہ دُور نہیں۔ البتّہ ناواقف کے لیے ایک لاکھ کوس سے بھی زیادہ ہے۔"

شہزادے نے پُوچھا۔ "واقف کون ہے اور ناواقف کون؟"

بُڑھیا نے ہنس کر کہا۔ "واقف میں ہوں۔ ناواقف تُم۔"

یہ سُن کر شہزادے نے بھی قہقہہ لگایا اور کہا۔ "اے امّاں جان، شارستان کے لوگ مُجھے جانتے پہچانتے ہیں۔ جب میں طِلسم سیاہ کو فتح کروں گا تو تُم بھی میرے زورِ بازو سے آگاہ ہو جاؤ گی۔"

"آہاہا۔" بُڑھیا نے ٹھٹھا لگایا۔ "گویا جناب طِلسم فتح کرنے تشریف لائے

ہیں، یہ مُنہ اور مسور کی دال۔ کبھی شکل آئینے میں دیکھی ہے؟"

شہزادہ اُس بُڑھیا کے کیا مُنہ لگتا۔ خاموش ہو رہا۔ بُڑھیا نے کہا:

"مُجھے تو اب نیند آئی ہے۔ تُم بھی کہیں جا کر آرام کرو۔"

شہزادے نے پُوچھا۔ "امّاں جان، میں کہاں آرام کروں؟ کوئی جگہ تو بتاؤ۔"

بُڑھیا نے ہاتھ سے سونے چاندی کی کُرسیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"اِن میں سے کسی ایک پر لیٹ جاؤ۔"

لیکن شہزادے نے چھلانگ لگائی اور اُس جھولے میں جا بیٹھا جو مَلِکہ کے لیے بنایا گیا تھا۔ بُڑھیا نے ڈانٹ کر کہا:

"او بے ادب، جلد نیچے اُتر۔ یہ جھُولا مَلِکہ کے لیے ہے۔ تُجھ میں کون سا سُرخاب کا پَر لگا ہے کہ بادشاہوں کی جگہ بیٹھے؟"

شہزادے نے جھُولے میں لیٹتے ہوئے کہا۔ "امّاں جان، جب میں جھُولے تک پہنچ گیا تو اب مُجھ ہی کو بادشاہ سمجھ لو۔"

بُڑھیا کوسنے دینے لگی۔ پھر چُپ ہو گئی۔ شہزادہ تھوڑی دیر میں خرّاٹے لینے لگا۔ کئی گھنٹے بعد اُس کی ایک عجیب غُل غپاڑے سے آنکھ کھُلی۔ کیا دیکھتا ہے کہ بے شمار دیو چشمے کے کنارے کھڑے ہیں اور شہزادے کو ڈرا دھمکا کر کہہ رہے ہیں کہ فوراً جھُولے سے اُتر آؤ ورنہ مار ڈالیں گے۔ شہزادے کے دِل میں خوف پیدا ہوا۔ اُسی وقت لَوح دیکھی۔ لکھا تھا:

"غم نہ کرو۔ یہ دیو تمھارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔"

شہزادے نے مُطمئن ہو کہ کروٹ بدلی۔ دیو برابر چیختے چِلّاتے اور دھمکاتے رہے۔ آخر ایک دیو اپنے ساتھیوں سے الگ ہو کر چشمے کے کنارے آیا اور کہنے لگا:

شنگول میرا نام ہے اور میرے ہاتھ میں ہزار من کا گُرز ہے۔ اِس سے تیرا سر پاش پاش کروں گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے چشمہ عبُور کرنے کے لیے چھلانگ لگائی مگر چشمے میں گِر کر غائب ہوا۔ اِس کے بعد ایک ایک کر کے پانچ دیو آئے اور سب نے اپنا نام شنگول دیو بتایا۔ لیکن وہ چھلانگ لگاتے ہی چشمے میں گِر کر غائب ہو گئے۔

ساتویں مرتبہ ایک خوف ناک شکل کا دیو نمُودار ہوا اور ہزار مَن کا آہنی گُرز ہلا کر بولا: "اے آدم زاد، تیرے جھگڑے میں میرے چھ بھائی ہلاک

ہوئے۔ میں اصلی شنگول دیو ہوں اور ابھی آ کر تیرا سر کُچلتا ہوں۔"

شہزادے نے کہا۔ "اے شنگول، میں تیرا ہی اِنتظار کر رہا تھا۔"

دیو نے چھلانگ لگائی، جھُولے کے قریب آیا اور پُوری قوّت سے گُرز گھُما کر شہزادے کے سر پر دے مارا۔ شہزادے نے لَوحِ زُحل پر وار روکا۔ لَوح سے آگ کے شُعلے نکلے اور دیو کو اندھا کر دیا۔ پھر شہزادے نے شمشیرِ جمشیدی کا ہاتھ مارا۔ شنگول دیو کی گردن کٹ کر چشمے میں جا گری۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا اور دیر تک رونے اور چلّانے کی آوازیں سُنائی دیتی رہیں۔

جب اندھیرا دُور ہوا اور آوازیں تھمیں تو شہزادے نے دیکھا کہ دیوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں۔ وہ بڑھیا درخت کی شاخوں میں چھُپی بیٹھی تھی، فوراً اُتر کر شہزادے کے قریب آئی اور کہنے لگی:

"آفرین ہے تیری جرأت پر! واقعی تُو اِس طِلسم کا فاتح ہے۔ میں تُجھ پر قُربان۔"

یہ کہتے ہی اُس کی صُورت بدل گئی اور اب شہزادے کے سامنے سو سالہ بُڑھیا کے بجائے ایک خوب صورت پری کھڑی مُسکرا رہی تھی۔ شہزادہ حیران ہوا اور پُوچھا :

"تُو کون ہے ؟"

اس نے کہا۔ "میرا نام باسانہ پری ہے اور میں مَلِکہ کی اُس کنیز کی دایہ ہوں جو اِس مقام کی مالک ہے۔"

شہزادے نے پُوچھا۔ "اُس کنیز اور اُس کی مَلِکہ کا کیا نام ہے ؟"

باسانہ پری نے جواب دیا۔ "اے نوجوان، کنیز کو طرب انگیز پری کہتے

ہیں، اور مَلِکہ کا نام بتانے کا ہمیں حُکم نہیں ہے۔ ہاں، یہ بتا سکتے ہیں کہ شنگول دیو اور اُس کا لشکر اِس باغ کی حفاظت کے لیے مَلِکہ کی جانب سے مقرّر تھا۔"

اِتنے میں طرب انگیز پری کی سواری آئی۔ شہزادہ لَوحِ زُحل سر پر باندھ کر سب کی نظروں سے غائب ہوا۔ جس وقت شہزادے نے طرب انگیز پری کو دیکھا تو بہت خوش ہوا اور دِل میں کہنے لگا کہ جس مَلِکہ کی کنیز ایسی خوب صُورت ہے، وہ خود کیسی ہوگی!

طرب انگیز پری آن کر کُرسی پر بیٹھی اور حیران ہو کر باسانہ سے پوچھنے لگی۔ "اے دایہ، مَلِکہ کا جھولا حرکت کرتا ہے۔ کیا کوئی اِس پر سویا ہے؟ اور کیا شنگول دیو قتل ہوا کہ چشمے کے پانی میں لہریں اُٹھ رہی ہیں اور اُس کا رنگ سُرخ ہے؟"

باسانہ پری نے شہزادے کے آنے اور شنگول دیو کے قتل ہونے کی داستان سُنائی۔ سب قصّہ سُن کہ طرب انگیز پری نے کہا۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طِلسم کی فتح بھی قریب ہے۔ لیکن وہ عالی مرتبہ شہزادہ کہاں ہے؟ ایسا نہ ہو کہ وہ ناراض ہو کر کہیں اور چلا جائے۔ پھر سخت آفت نازل ہو گی۔"

یہ سُنتے ہی پریاں اِدھر اُدھر دوڑیں اور شہزادے کو تلاش کرنے لگیں۔ لیکن شہزادے کو نہ پایا۔ طرب انگیز سخت غمگین ہوئی۔ اُسی وقت شہزادے نے لَوح سر سے کھولی اور اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ طرب انگیز اُسے دیکھ کر بہت خویش ہوئی اور جھُک کر اُس کے پاؤں کو بوسہ دیا۔ پھر پری زادوں کو حُکم دیا کہ جلد دستر خوان بچھاؤ۔ آناً فاناً سینکڑوں قسم کے کھانے حاضر کر دیے گئے۔ شہزادے نے طرب انگیز سے کہا کہ تُم بھی

میرے ساتھ کھانا کھاؤ۔ لیکن اُس نے ادب کی وجہ سے قبول نہ کیا۔ کھانے کے بعد شہزادے نے پھر اُسی جھولے میں آرام فرمایا اور پریاں اُس کی نگہبانی کرنے لگیں۔

دو دِن اور دو راتیں شہزادہ طُرب انگیز پری کا مہمان رہا۔ اِس دوران میں مَلِکہ وہاں نہ آئی۔ تیسرے دِن شہزادے نے وہاں سے آگے جانے کا ارادہ کیا۔ طُرب انگیز نے سمرقندی جِن کو تختِ رواں (اُڑنے والا تخت) حاضر کرنے کا حُکم دیا۔ مگر شہزادے نے منع کیا اور کہا کہ پیدل ہی جانا درست ہے۔ باغ سے نکل کر ایک لق و دق صحرا دکھائی دیا۔ اُس میں کئی روز چلنے کے بعد مغرب کے وقت ایک عالی شان محل نظر آیا جس کے دروازے پر لکھا تھا۔ "قصرِ دِل افروز"۔ قریب ہی ٹھنڈے اور صاف پانی کی نہر جاری تھی۔ شہزادے نے وُضو کر کے مغرب کی نماز ادا کی۔ پھر محل

میں داخل ہونے کا ارادہ کیا۔ پہرے دار اور نگہبان آڑے آئے اور کہنے لگے۔

"اے شخص، تُو کون ہے؟ کیا تُجھے خبر نہیں کہ مَلِکہ دِل افروز کے محل میں اجنبیوں کا داخلہ منع ہے۔ اپنی راہ پر چلا جا ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔"

شہزادے نے کہا۔ "اے بے وقُوفو، تُم نہیں جانتے میں کون ہوں؟ میں یہ طِلسم فتح کرنے آیا ہوں اور سب جگہ میرا مہمان خانہ ہے۔ آگے سے ہٹ جاؤ ورنہ پچھتاؤ گے۔ ایک کو جیتا نہ چھوڑوں گا۔"

یہ سُن کر اُن سب پر شہزادے کی ہیبت طاری ہوئی۔ منّت خوشامد کر کے کہنے لگے کہ آج حضور محل میں تشریف نہ لے جائیں۔ مَلِکہ کی سہیلیاں آئی ہوئی ہیں اور کسی مرد کو اندر جانے کی اجازت نہیں ہے۔ کل مَلِکہ یہاں سے تشریف لے جائیں گی۔ پھر جس قدر جی چاہے، سیر تفریح کیجئے گا۔

شہزادے نے کہا۔ "اب تو ہم محل میں ضرور جائیں گے اور مَلِکہ دل افروز کو دیکھیں گے۔"

پہرے داروں نے پھر خوشامد شروع کی اور کہا کہ حضور ہماری جانوں پر رحم کریں۔ مَلِکہ نے سُن لیا تو ہم لوگ ناحق قتل ہوں گے۔ شہزادے کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے اُسے یہ خیال نہ آیا کہ لَوحِ زُحل سر سے باندھ کر اُن کی نظروں سے غائب ہو اور محل میں داخل ہو جائے۔

ابھی یہ تکرار جاری تھی کہ محل کے اندر سے مَلِکہ کی ایک سہیلی نگار پری باہر آئی۔ اُس نے شہزادے کو دیکھا اور سمجھ گئی کہ یہی اِس طِلسم کا فاتح ہے۔ مُسکرا کر شہزادے کا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگی :

"ہماری مَلِکہ بڑی نازک مزاج ہیں۔ اگر اُنھوں نے سُن لیا کہ آپ بغیر اجازت محل میں گھُس آئے ہیں تو خفا ہوں گی۔ آئیے میں آپ کو

دوسرے مکان میں لیے چلتی ہوں۔ وہاں سے محل کا اندرونی حصّہ نظر آتا ہے۔ مُمکن ہے اِس طرح آپ مَلِکہ کو بھی چُپکے سے دیکھ سکیں۔ مَلِکہ جھُولے میں بیٹھ کر آتش بازی کا تماشا دیکھے گی اور کنیزیں جھولے کو اِس قدر حرکت دیں گی کہ وہ محل کی دیوار سے صاف نظر آئے گا۔"

غرض اِسی طرح کی چکنی چپڑی باتیں کر کے وہ شہزادے کو اپنے ساتھ لے گئی اور ایک دوسرے پُر فضا مکان میں لا بِٹھایا۔ پھر واپس جا کر مَلِکہ دِل افروز سے سارا حال کہا۔ وہ حیران ہوئی اور اُس کے دِل میں بھی شہزادے کو دیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔

چند لمحوں بعد مَلِکہ جھُولے میں بیٹھی اور ہزار قسم کی آتش بازی چھوٹنے لگی۔ پھر کنیزوں نے مَلِکہ کا جھُولا بڑھایا اور لمبی لمبی پینگیں دیں حتیٰ کہ شہزادے نے بھی مَلِکہ کی ایک جھلک دیکھ لی اور اُسی وقت غش کھا کر گِر گیا۔

آنکھ کھُلی تو اپنے آپ کو اُسی عالی شان محل میں پایا۔ مَلِکہ بڑی آن بان سے شاہی تخت پر بیٹھی تھی۔ شہزادے کو ہوش میں آتے دیکھ کر مُسکرائی اور کہنے لگی:

"اے نوجوان، اپنا حال کہو۔ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو اور اِس جگہ آنے کا مقصد کیا ہے؟"

تب شہزادے نے شروع سے لے کر آخر تک اپنا قصّہ بیان کیا اور کہا کہ میرا باپ سلطان مہدی، طِلسم جمشید کی قید میں ہے۔ اُسے آزاد کرانے آیا ہوں۔

یہ سُن کر مَلِکہ کے چہرے کا رنگ اُڑ گیا۔ اُسی وقت حُکم دیا کہ تختِ رواں حاضر کیا جائے۔ تختِ رواں آیا تو مَلِکہ اُس پر سوار ہوئی۔ شہزادے نے بہت پُوچھا کہ آخر معاملہ کیا ہے؟ اتنی جلدی کہاں جانے کی ضرورت پیش آ

گئی؟ لیکن مَلِکہ نے صرف اتنا بتایا کہ ایک ضروری مُہم درپیش ہے۔ جب آپ عجبستان کے تخت پر بیٹھیں گے، تب میں آؤں گی۔ یہ کہہ کر روانہ ہوئی۔ مَلِکہ کے ساتھ ہی اُس کے تمام نوکر چاکر بھی روانہ ہو گئے حتّیٰ کہ اُس باغ کے درختوں کے نیچے بیٹھنے والی تمام بُوڑھی عورتیں بھی غائب ہو گئیں۔

شہزادہ اپنی تنہائی پر زار زار روتا تھا اور کوئی راستہ نہ پاتا تھا۔ وہ رات اُس نے محل میں بسر کی۔ پھر صُبح کی نماز کے بعد ایک جانب روانہ ہوا۔

ہفت گُنبد

شہزادے کو اپنی منزل کی کُچھ خبر نہ تھی کہ کدھر جاتا ہوں۔ بس اپنی دُھن میں جِدھر رُخ ہوتا، اُسی طرف چل دیتا۔ مَلِکہ دِل افروز کے محل سے چلے ہوئے کئی دِن ہو گئے۔ بھُوک کی پروا تھی، نہ پیاس ستاتی تھی۔

ساتویں روز شام کے وقت دور سے ایک قلعہ نظر آیا، جس کی بُرجیاں آسمان تک اونچی تھیں۔ شہزادے نے دیکھا کہ قَلعے کی دیواریں کچّی

چاندی کی ہیں اور اُن پر اتنے خوبصورت نقش و نگار بنے ہیں کہ عقل حیرت میں آتی ہے۔ قلعے کے بارہ بُرج تھے اور ہر بُرج سبز رنگ کے پتھرّ کا تھا۔ اُن پتھرّوں میں سے روشنی کی کرنیں پھُوٹتی تھیں۔ شہزادے کا خیال تھا کہ شاید ہر بُرج زمرّد کا بنا ہوا ہے۔ ہر بُرج کے آگے ایک پری ہاتھ میں گُل دستہ لیے بیٹھی صحرا کی طرف ہر دم دیکھتی تھی۔

شہزادہ یہ حالت دیکھ کر سخت حیران ہوا اور جلدی جلدی قلعے کی طرف بڑھا۔ کیا تماشا نظر آیا کہ قلعے کے چاروں طرف ایک گہری خندق ہے جو لبالب سیاہ رنگ کے پانی سے بھری ہے اور اُس میں ہزاروں لاکھوں سانپ تیر رہے ہیں۔ شہزادے نے فصیل پر نگاہ کی۔ بہت سی عورتیں وہاں جمع تھیں۔ اُنھوں نے شہزادے کو وہیں سے سلام کیا اور کہنے لگیں :

”خوش آمدید! خوش آمدید! آئیے، تشریف لائیے۔ آپ کا آنا مبارک۔“

شہزادے نے پُکار کر کہا۔ "عجب مذاق ہے! مُجھے خوش آمدید کہتی ہو۔ لیکن یہ کوئی نہیں بتاتا کہ آؤں کیسے؟ قَلعے کا دروازہ دِکھائی دیتا نہیں اور فصیل کے ارد گرد گہری خندق پانی سے بھری ہے، جس میں ہزار ہا کٹ کھنّے سانپ پھر رہے ہیں۔ جلد قَلعے میں آنے کا راستہ بتاؤ۔"

یہ سن کر وہ عورتیں کھلکھلا کر ہنسیں اور کہا۔ "اے نوجوان، تُم ہم میں سے کسی ایک کو پسند کرو۔ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ شہزادے نے ایک نازنین کی طرف اشارہ کیا۔ دوسری عورتوں نے ایک بُرج کے آگے جا کر یُوں فریاد کی:

"آقا! آقا! ایک نوجوان قَلعے کے نیچے آیا ہے اور اُس نے نازلہ بانو کو پسند کیا ہے۔ اب آپ کا کیا حُکم ہے؟"

یکایک سیاہ داڑھی اور سفید چہرے والا ایک بُوڑھا اندر سے نکلا اور

شہزادے کی طرف دیکھ کر بولا :

"السّلامُ علیکم ۔ مزاج تو اچھّے ہیں آپ کے ؟"

شہزادے نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ سب خیریت ہے ۔ تب بُڈّھے نے نازلہ بانو کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا :

"اے نوجوان ، کیا تُو اِس نازنین کو پسند کرتا ہے ؟"

شہزادے نے جواب دیا ۔ "ہاں ، پسند کرتا ہوں ۔"

"بہت خوب !" بُڈّھے نے کہا ۔ "اب میں تیرا نکاح نازلہ بانو سے پڑھاتا ہوں ۔"

یہ کہہ کر دوسری عورتوں کو اشارہ کیا ۔ اُنھوں نے نازلہ بانو سے اقرار لیا ۔ پھر بُڈّھے نے شہزادے کا وکیل بن کر نکاح پڑھا ۔ یہ تماشا دیکھ کر

شہزادے نے بُلند آواز سے کہا :

"بڑے میاں، یہ کیا کھیل دِکھا رہے ہو؟ بھلا اِس طرح کہیں نکاح، شادیاں ہوتی ہیں؟ میں قَلعے کے نیچے، تُم قَلعے کے اُوپر۔ اور پھر میں نے نکاح کی درخواست کب کی ہے؟ اِن عورتوں نے مجھ سے کہا کہ قَلعے میں داخل ہونے کا طریقہ یہی ہے۔ لہٰذا میں نے ایک عورت کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔"

بُڈّھے نے کہا۔ "پسند کرنے کا نام ہی نکاح ہے۔ اب زیادہ باتیں نہ کرو۔"

یہ کہہ کر کھانا لانے کا حُکم دیا۔ اُسی وقت ملازموں نے کھانا چُن دیا۔ سب کھانے لگے۔ شہزادے نے کہا :

"بڑے میاں، یہ کہاں کی تہذیب ہے کہ اکیلے ہی اکیلے، قورمہ پُلاؤ اُڑا رہے ہو۔ میں بھی بھُوکا ہوں۔ کُچھ اِدھر بھی بھیجو۔"

لیکن اُنھوں نے شہزادے کی کسی بات کا جواب نہ دیا اور برابر کھانے میں لگے رہے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو بُڈّھے نے نازلہ بانو کا ہاتھ پکڑا اور اُسے یہ کہہ کر خندق میں پھینک دیا کہ اے نوجوان، یہ تیری بیوی ہے سنبھال لے۔

جوں ہی نازلہ بانو خندق میں گِری، سانپ اُسے چمٹ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ایسا ہڑپ کیا کہ اُس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ تھوڑی دیر بعد کالے رنگ کا ایک دیو نمودار ہوا اور قَلعے کی فصیل کے قریب آ کر یوں فریاد کرنے لگا:

"اے آقا یختاش! میری بیٹی نازلہ بانو کہاں ہے؟"

"تیری بیٹی کو اِس جوان نے پسند کیا تھا۔ چوں کہ یہ مہمان تھا اِس لیے ہم نے نازلہ بانو کا اِس سے نکاح کر کے اُسے اِس کے حوالے کر دیا۔"

یہ سُن کہ شہزادہ غضب ناک ہو کر چلّایا۔ "او مرُدود بُڈّھے! کیوں جھوٹ بولتا ہے۔ میں نے تُجھ سے کب کہا تھا کہ نازلہ بانو کا نکاح مُجھ سے کرو؟ تُو نے اِس بے جان عورت کو خندق میں پھینکا اور ابھی میرے سامنے سانپوں نے اُسے ہڑپ کر لیا۔"

دیو نے اپنے کندھے پر رکھا ہوا گُرز ہلایا اور شہزادے کی طرف خون خوار نگاہوں سے دیکھ کر کہنے لگا:

"اے نوجوان! آقا یحتاش کبھی جھُوٹ نہیں بولتا۔ جلد بتا میری بیٹی کہاں ہے۔ ورنہ تُجھے جان سے مار ڈالوں گا۔"

یہ کہتے ہی دیو نے حملہ کیا۔ شہزادے نے وار خالی دے کر شمشیرِ جمشیدی سے دیو کے دو ٹُکڑے کیے اور مارے طیش کے اُس نے لَوح سے مشورہ بھی نہ کیا۔ دیو کے قتل ہوتے ہی ایک عظیم طوفان برپا ہوا۔ سارا عالم تاریک ہو گیا اور طرح طرح کی ڈراؤنی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ اِتنے میں اندھیرا دُور ہوا، روشنی آئی اور شہزادے نے دیکھا کہ ایک اور خوف ناک دیو کالے رنگ کا پیدا ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں بھی گُرز تھا۔ وہ آنکھوں سے شُعلے برساتا ہوا شہزادے کی طرف بڑھا اور بولا:

"اے آدم زاد، تُو نے میرے باپ کو قتل کیا۔ اب میں تجھے ہلاک کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر دیو نے گُرز مارا۔ شہزادے نے پینترا بدل کر شمشیرِ جمشیدی کا ہاتھ مارا۔ یہ دیو بھی کٹ کر گِرا۔ پھر عظیم طوفان آیا۔ گھُپ اندھیرا چھا گیا۔

جب روشنی ہوئی تو دیکھا کہ تیسرا دیو حملہ کرنے کے لیے بڑھ رہا ہے اور کہتا ہے :

"اے آدم زاد، تُو نے میرے باپ دادا کو قتل کیا ہے۔ میں تُجھے زندہ نہ چھوڑوں گا۔"

شہزادے نے اُسے بھی قتل کیا۔ قَلعے کے اوپر عورتیں یہ تماشا دیکھ دیکھ کے ہنستی تھیں۔

شہزادے نے تمام دِن تلوار چلائی اور سترّ دیو قتل کیے لیکن ہر بار نیا دیو نمودار ہو جاتا۔ تلوار چلا چلا کر شہزادے کے بازو شل ہو گئے۔ اب اُسے لَوح دیکھنے کا خیال آیا۔ وہ جامِ جم کو سر پر رکھ کر دیو کی نظر سے غائب ہوا۔ لَوح پر نگاہ کی۔ لکھا تھا :

"اے شہزادے، جب قَلعہ سیاہ کی دیوار دِکھائی دے تو فصیل پر کھڑی عورتوں کی طرف نہ دیکھنا۔ اور اگر تُو نے آقا یختاش کے بہکائے میں آکر کسی عورت کی طرف اشارہ کر دیا اور تو ان سے شادی کا اقرار نہ کرنا۔ ورنہ یختاش تجھے قیامت تک دیووں کو ہلاک کرنے کے کام میں لگا دے گا اور تو تھک کر اُن کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ لہٰذا خبردار! کسی بھی دیو کو شمشیرِ جمشیدی سے قتل نہ کرنا۔ بلکہ اُس کے تیر مارنا۔ دیو تیر کھا کے اپنے آپ کو خندق میں گرائے گا اور نیست و نابود ہو جائے گا۔ پھر ایک کوس قَلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ چلنا۔ جب جنوبی حد ختم ہو گی، ایک دروازہ نمودار ہو گا۔ اِس کے بعد ضرورت پڑے تو لَوح سے مشورہ کر لینا۔"

شہزادے نے سر سے جامِ جم اُتارا اور ظاہر ہو کر دیو کے سامنے پہنچا۔ دیو نے کہا:

"اے ستّر دیووں کے قاتل آدم زاد، تُوکہاں غائب ہوگیا تھا؟ میں تیری تلاش میں مارامارا پھرتا رہا۔"

یہ کہہ کراُس نے شہزادے پر حملہ کیا۔ شہزادے نے حملہ روک کراُس کے سینے میں تیر مارا۔ فوراً دیو کے بدن میں آگ لگ گئی اور وہ یہ آگ بُجھانے کے لیے خندق میں کُود پڑا۔ اُسی وقت سانپوں نے اُسے ہڑپ کرلیا۔

قَلعے کی دیوار پر سے عورتوں نے خوشی سے تالیاں بجائیں۔ شہزادے نے اوپر نگاہ کی تو دیکھا کہ نازلہ بانو بھی اُن عورتوں میں موجود ہے۔ حیران ہوکر بولا:

"اے عورت، تُجھے تو سانپوں نے کھا لیا تھا۔ اب پھر میں تُجھے زندہ سلامت دیکھتا ہوں۔ یہ ماجرا کیا ہے؟ کیا تُو اُس دیو کی بیٹی نہیں ہے جو پہلے پہل مُجھ سے لڑنے آیا تھا؟"

نازلہ بانو نے جواب دیا۔ "وہ دیو غلط کہتا تھا۔ میں اُس کی بیٹی نہیں ہوں، بلکہ اب تو میری شادی تُم سے ہو چُکی ہے۔ اِسی لیے خُدا نے میری حفاظت کی ہے۔ اب آنکھیں بند کرو۔ جب کھولو گے، مُجھے اپنے پاس پاؤ گے۔"

شہزادے نے کہا۔ "اب میں دوبارہ تُم لوگوں کے فریب میں نہ آؤں گا۔"

یہ کہہ کر قلعے کی دیوار کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا۔ جب جنوبی حد ختم ہوئی، ایک دروازہ دِکھائی دیا۔ اُس دروازے کے اوپر ایک چبوترا سا بنا تھا اور وہاں تخت پر وہی بُڈّھا آقائے یختاش بیٹھا تھا۔ اِرد گرد بہت سی عورتیں کھڑی تھیں اور دس بارہ ہیبت ناک صورتوں کے دیو تلواریں نیزے اور گُرز ہاتھوں میں لیے حفاظت کا فرض انجام دے رہے تھے۔

ایک دیو نے چلّا کر کہا۔ "اے نوجوان، کیا تُو نے دیکھا نہیں کہ تخت پر آقائے یختاش رونق افروز ہے؟ تُو نے ابھی تک اِنہیں سلام نہیں کیا۔

جلد سلام کرو ورنہ گستاخی کا مزا چکھے گا۔"

شہزادے نے ہنس کر جواب دیا۔ "یہ گیدڑ بھبکیاں کسی اور کو دیا۔ میں بھلا اِس خبیث بُڈّھے کو سلام کیوں کرنے لگا۔ جب اِسے میرے بارے میں پتا چلے گا کہ میں کون ہوں، تب یہ خود مُجھے سلام کرے گا۔"

شہزادے کی یہ بات سُن کر آقائے یحتاش نے کہا۔ "اے نوجوان، میں خوب جانتا ہوں کہ تُو کون ہے۔ لیکن یاد رکھ اگر آج تُو نے مُجھے سلام نہ کیا تو کل اپنی ایک ضرورت سے تُجھے میرے پاس آنا پڑے گا۔ پھر میں سلام لیے بغیر تیرا کام نہ کروں گا۔" یہ کہہ کر تخت سے اُٹھا اور قلعے میں غائب ہو گیا۔

شہزادے نے دِل میں کہا کہ لو بھلا، مُجھے اِس بُڈّھے سے کون سا کام ہو گا کہ یہ میرا سلام لے گا۔

قَلعے کے سامنے چِنار کے چار درخت تھے ۔ اُن درختوں کے درمیان پانی کا ایک چشمہ تھا اور اُس چشمے میں سیاہ رنگ کے پتھرّ کا ایک پاٹ گھوم رہا تھا۔ اُس پاٹ پر ایک کالا ناگ بیٹھا تھا اور جس قدر وہ پاٹ تیز گھومتا، اُسی قدر ناک کا قد بڑا ہوتا جاتا۔ چِنار کے اِن درختوں پر چار مور بیٹھے تھے اور اُن کی نظریں کالے ناک پر جمی تھیں۔ جب ناک گردن آگے بڑھا کر چشمے کا پانی پینے کی کوشش کرتا، اُسی وقت اُن موروں میں سے ایک مور نہایت، ہیبت ناک آوازا اپنے حلق سے نکالتا۔ اس آواز سے تمام صحرا کانپ اٹھتا تھا۔ باقی تینوں مور بھی فریاد کرتے اور سانپ کو پکڑنے کا ارادہ کر کے آتے۔ جوں ہی ایسا ہوتا چکّی کا وہ باٹ اُلٹا پھرنے لگتا اور ناک کا قد پھر چھوٹا ہو جاتا۔

شہزادہ دیر تک یہ حیرت انگیز تماشا دیکھتا رہا اور سوچتا رہا کہ یہ ماجرا کیا ہے

اور اِس تماشے کا مقصد کیا ہے؟ لیکن کُچھ حل نہ ہوا۔ قَلعے کی طرف دیکھا۔ دروازہ بند پایا۔ آخر لَوحِ زُحل سے مشورہ کیا۔ لکھا تھا:

"اے لَوح کے مالک، جب قَلعے کے دروازے تک پہنچے گا تو اُس بُڈّھے یحماش کو دروازے کے اوپر ایک تخت پر دیکھے گا۔ اُس کو سلام کر کے گزر جانا کہ آخر اُس سے کام پڑے گا۔ ورنہ ضُرورت کے وقت تُجھے مجبور ہو کر اُسے سلام کرنا پڑے گا اور اِس میں تیرے لیے شرمندگی ہے۔ کالے پتھرّ کی گھُومتی ہوئی چکّی پر جو سیاہ ناگ بیٹھا ہے، وہ دراصل سانپ نہیں، ایک جِن ہے جسے اَرقم جِن کہتے ہیں۔ یہ جِن نیک اور مسلمان ہے اور اُن کافر جِنوں کی قید میں ہے جو مور بنے ہوئے چِنار کے درختوں پر بیٹھے ہیں۔ تُو اِن موروں کی طرف مُنہ کر کے کہنا اے ظالمو، تُم کب تک ارقم جِن کو عذاب میں گرفتار رکھو گے؟ اب اِس ظُلم سے ہاتھ اُٹھاؤ اور میرے ہاتھ پر

ایمان لاکر خُدا پرستی اختیّار کرو۔ میں ہی اِس طِلسم کا فاتح ہوں۔ اگر تُم نے میرا کہا نہ مانا تو سب کو قتل کروں گا۔

جب تُو اُن موروں سے یہ بات کہے گا، وہ چیخیں گے، فریاد کریں گے اور خُدا پرستی قبول کرنے سے اِنکار کر دیں گے تو چھلانگ لگا کر اُس چکّی کے پاٹ پر پہنچ جانا جو چشمے میں گھومتا ہے۔ جامِ جم کو کالے ناگ کے سر پر رکھ دینا۔ مور غضب ناک ہو کر حملہ کریں گے۔ ڈھال سے اپنا بچاؤ کرنا۔ جب اُن کا کوئی حملہ تُجھ پہ کارگر نہ ہو گا تو غائب ہو کر انسانی صورت اختیار کر کے تُجھ سے لڑنے آئیں گے لیکن چاروں باری باری تیرے ہاتھ سے قتل ہو کر اپنے انجام کو پہنچیں گے۔ جب وہ قتل ہو جائیں تو اَرقم جِن پر سے جامِ جم اُٹھا لینا۔ اَرقم چشمے میں غوطہ لگا کر باہر آئے گا تو وہ ایک جوان آدمی کی شکل اختیار کر کے تُجھ سے ملاقات کرے گا۔ جو کُچھ وہ کہے، اُس پر عمل

کرنا اور اُس کی رائے سے قَلعے میں داخل ہونا۔"

شہزادے نے اِن تمام ہدایات پر عمل کیا۔ چاروں مور زبردست پہلوان بن کر نمودار ہوئے، مگر شہزادے نے سب کو ٹھکانے لگایا۔ اَرقم میں ایک خوب صورت جوان کی شکل میں چشمے سے نکل کر شہزادے کے سامنے آیا۔ پہلے سلام کیا پھر قدموں پر گِرا۔ شہزادے نے اُسے سینے سے لگایا اور قَلعے کا احوال دریافت کیا۔ اس نے عرض کیا:

"اے شہریار، اِس قَلعے میں ایک گُنبد ہے۔ اُسے گُنبد ہفت طبقہ (سات درجوں یا منزلوں والا گُنبد) کہتے ہیں۔ سات سلطنتوں کی دولت اُس میں موجود ہے۔ اُس گُنبد کا داروغہ قَلعے میں بادشاہ کی حیثیت سے رہتا ہے۔ اِس سے پہلے میرا باپ اسود جِن گُنبد کا داروغہ اور یکتاش اُس کا وزیر تھا۔ میرے باپ نے خُداپرستی اختیار کی، چناں چہ دوسرے جِن اُس کے جانی

دُشمن ہو گئے۔

میرے باپ کا ایک غُلام شیطان پرست تھا۔ اُس نے ایک روز دھوکے سے میرے باپ کو قتل کیا اور مُجھے ناگ کی صورت میں قید کرکے اپنے چار ساتھیوں کو میری نگرانی پر لگا دیا۔ یہ چاروں وہی مور تھے جنھیں آپ نے جہنّم میں پہنچایا ہے۔ سات دِنوں میں صرف ایک بار مُجھے پانی پینے کی اجازت تھی۔ اب آپ سب سے پہلے دیو شاخ پیشانی کو قتل کریں کہ وہ عجبستان کے تخت کا داروغہ ہے۔"

شہزادے نے پوچھا۔ "دیو شاخ پیشانی کی صُورت کیا ہے اور اُس کے ذمّے طِلسم کی کون سی خدمت ہے؟"

ارقم نے عرض کیا۔ "اے شہزادے، یہ ایک ہیبت ناک دیو ہے۔ اُس کی پیشانی کے عین درمیان میں ایک نوکیلا سینگ اُگا ہوا ہے، اِس لیے اُسے

دیو شاخ پیشانی کہتے ہیں۔ طِلسم کی شرط یہ ہے کہ پہلے اُس دیو کو قتل کیا جائے پھر عجبستان کا تخت قبضے میں کر کے دربار لگانے تاکہ عجبستان کی تمام رعایا اور وہاں کی مَلِکہ فاتح طِلسم کی اطاعت قبول کرے۔ یہ تخت خاص فاتح کے لیے بنایا گیا ہے۔ مَلِکہ اور دیو شاخ پیشانی کے تخت الگ الگ ہیں۔"

یہ سُن کر شہزادے نے لَوحِ زُحل اور جامِ جم ارقم جِن کو دکھائے اور کہا کہ جس راستے سے تُم جا سکو، اُسی راستے سے مُجھے بھی لے چلو اور اِس دروازے پر پہنچاؤ جس کے اوپر آقائے یحتاش کو تخت پر بیٹھے دیکھا تھا۔ مگر بہتر یہ ہے کہ جب ہم وہاں پہنچیں تو وقت آدھی رات کا ہو۔

ارقم نے ادب سے گردن جھکائی اور کہا کہ جیسا آپ نے ارشاد کیا، اُسی کے مطابق عمل کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ شہزادے کو ایک غار کے پاس لے

گیا۔ وہاں انار کا ایک درخت تھا۔ شہزادے نے درخت کا تنا اُکھاڑا۔ اُس کے نیچے سے زینہ نمودار ہوا۔ شہزادہ اُس زینے میں اُترا اور ایک سُرنگ میں داخل ہوا۔ کُچھ دُور جا کے یکایک اپنے آپ کو ایک بُرج میں پایا۔ وہاں بہت سے دیو پڑے سو رہے تھے اور اُن کے خرّاٹوں کی آواز سے بُرج کانپ رہا تھا۔ شہزادہ اُن کے درمیان سے ہو کر دروازے پر پہنچا۔ دروازے پر ایک کالا دیو بیٹھا نیند کے عالم میں جھُوم رہا تھا۔ شہزادے نے جامِ جم اپنے سر پر رکھا، اُچھل کہ اُس دیو کی گردن پر جا بیٹھا اور اُسے بُری طرح مارنا شروع کیا۔

دیو نے شور مچایا کہ ہائے! موت کا فرشتہ مُجھے مارے ڈالتا ہے۔ ارے میں نے تیرا کیا قصور کیا ہے جو مُجھے تنگ کرتا ہے۔ حنظل داروغہ مُجرم ہے۔ اُس کی خبر لے۔ شہزادہ برابر اُس کی مرمّت کرتا رہا۔ آخر دیو تنگ آ کر اُڑا

اور کہکشاں فلک تک گیا اور پھر واپس خندق کی جانب آیا۔ شہزادے نے خُدا کو ایک ہزار ایک نام سے یاد کر کے دیو کی گردن سے جست کی اور خندق کے بار کود گیا۔ دیو خندق میں گرا۔ سانپوں نے خُوش ہو کے اُسے ٹکڑے ٹکڑے کیا اور کھا کر غائب ہو گئے۔ آدھی رات کے وقت خندق کی سیاسی سفیدی میں بدل گئی۔ ارقم جِن حاضر ہوا۔ شہزادے نے پوچھا کہ تُم کس راہ سے آئے؟ اُس نے جواب دیا کہ حضور سُرنگ کے راستے آیا ہوں۔ شہزادے نے حیرت سے پوچھا کہ تُم تو جِن ہو اُڑ کر کیوں نہ آئے؟

اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا کہ حضور، طِلسمات میں میرا جِن ہونا کُچھ کام نہیں آتا۔ تھوڑی دیر بعد ارقم کے سات ہزار ساتھیوں نے آ کر شہزادے کی اطاعت قبول کی اور کہا کہ ہم سب خُدا پرست ہیں اور شیطان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

اتنے میں قلعے کا دروازہ کھُلا اور حنظل نمودار ہوا۔ ایک دِن اور ایک رات اُس نے شہزادے سے جنگ کی۔ آخر شہزادے کی تلوار سے دو ٹکڑے ہو کہ جہنّم کا راستہ لیا۔ حنظل کے سپاہیوں نے امان طلب کی۔ شہزادے نے اُنہیں خُدا پرستی کی تعلیم دی۔ سب نے خوشی سے قبول کی۔

آقائے یکتاش بھی حاضر ہوا۔ شہزادے نے مُسکرا کر لَوح پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا: "یکتاش سے بحث مت کرو۔"

شہزادہ خاموش ہو گیا۔ چند دِن یہاں کی سیر و سیاحت کرنے کے بعد گُنبد ہفت طبقہ کی جانب روانہ ہوا۔

نقاب پوش

چالیس کوس لق و دق بیابان میں سفر کرنے کے بعد ایک گُنبد نظر آیا۔ اُس کی اُونچائی آسمان کو چھُو رہی تھی اور اُس میں مختلف رنگوں کے سات طبقے (درجے) تھے۔ پہلا طبقہ سبز اور آخری سیاہ رنگ کا تھا۔ یہ گُنبد گیند کی طرح گردش کر رہا تھا۔ شہزادہ اسے دیکھ کر حیرت میں رہ گیا اور بے اختیار دانتوں میں انگلی دبالی۔ گُنبد کے اِرد گرد میوہ دار درخت، چشمے اور ٹھنڈے

پانی کی نہریں جاری تھیں۔ لیکن وہاں کوئی آدمی تھا نہ پری زاد۔ ہر طرف سنّاٹا تھا۔

شہزادے نے پہلی رات ایک درخت کے نیچے کاٹی۔ صُبح اُٹھ کر نماز پڑھی، پھر لَوحِ زُحل پر نگاہ ڈالی یہ عبارت ظاہر ہوئی :

"اے لَوح کے مالک، جب تو گُنبد ہفت طبقہ تک پہنچے گا، اُس کا دروازہ غائب پائے گا۔ اِسم اعظم پڑھ کر پہلے طبقے پر دم کرنا۔ ایک دروازہ ظاہر ہو گا۔ لیکن اُس میں قُفل لگا ہو گا۔ اِس قُفل کی کُنجی طِلسم سیاہ کے وزیر یحتاش کے پاس ہے۔"

شہزادے نے اِسم اعظم پڑھ کر گُنبد کے پہلے طبقے پر دم کیا۔ دروازہ اُسی وقت ظاہر ہوا۔ لیکن اُس میں قُفل لگا تھا۔ اب شہزادہ اِس فکر میں گُم ہوا کہ آقائے یحتاش کو کیسے طلب کرے۔ اُسی وقت ارقم جِن حاضر ہوا اور کہنے

لگا کہ ابھی تھوڑی دیر میں آقائے یکتاش بھی آتا ہے۔

شہزادے نے اُس سے پُوچھا کہ آخر آقائے یکتاش کو ایک دم یہاں آنے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے؟ ارقم نے بتایا کہ اُسے پچھلی رات حکیم آزر کیواں نے خواب میں حُکم دیا تھا کہ اپنے مرض کا علاج چاہتے ہو تو سیدھے ہفت گُنبد کے قریب شہزادے سے ملاقات کرو۔

یکایک آسمان سے ایک سُنہری تخت زمین پر اُترا۔ اُسے چار پریاں اپنے کندھے پر اُٹھائے ہوئے تھیں۔ یکتاش تخت سے اُتر کر ایک جانب کھڑا ہو گیا۔ شہزادے نے کہا:

"خوش آمدید یکتاش! مہربانی کر کے دروازے کی کُنجی میرے حوالے کرو۔"

یکتاش نے گردن ہلائی اور کہا۔ "حضُور، میرے پاس کسی دروازے کی کُنجی

نہیں ہے۔"

یہ کورا جواب سُن کر شہزادے کو طیش آیا۔ گرج کر بولا۔ "کیا تُم طِلسم سیاہ کے وزیر نہیں ہو؟"

"میں ہی وزیر ہوں، حضُور۔ مگر کُنجی میرے پاس نہیں۔"

"اِس کا مطلب یہ ہے کہ لَوحِ زُحل غَلط کہتی ہے۔" شہزادے کو یحتاش کے اِس جواب پر اور غصّہ آیا۔

"بے شک۔ لَوح آپ کو بہکا رہی ہے۔"

اب تو شہزادے کا رہا سہا ضبط بھی جاتا رہا۔ لال پیلا ہو کر کہنے لگا:

"مُجھے یقین ہے کہ لَوح غَلط نہیں کہتی۔ کُنجی تُمھارے ہی قبضے میں ہے۔ اگر نہ دو گے تو میں تمھیں اپنے ہاتھ سے قتل کروں گا۔"

"جو جی میں آئے کیجیے۔ کُنجی میرے پاس ہے ہی نہیں۔" یغتاش نے اطمینان سے جواب دیا۔

شہزادے نے شمشیرِ جمشیدی نیام سے کھینچی۔ یغتاش نے گردن جھُکا دی۔ یکایک شہزادے کے دِل میں خیال آیا کہ چُوں کہ میں نے یغتاش کو خُود سلام نہیں کیا ہے، اِس لیے وُہ ضِد پر اڑا ہوا ہے اور کُنجی دینے کے بجائے اپنی جان دینے پر آمادہ ہے۔ یہ سوچ کر یغتاش کو قریب بُلایا اور کہا:

"بڑے میاں، تُم بہت ضدّی نکلے۔ میں سمجھ گیا کہ تُم چاہتے کیا ہو۔ لو، ایک کے بجائے ہزار سلام تمہیں کرتا ہوں۔ اب تو کُنجی میرے حوالے کرو۔"

یغتاش نے مُسکرا کر کہا۔ "شکر ہے آپ کو اصل بات یاد آ ہی گئی، ورنہ

میں آج مُفت میں اپنی جان سے گیا تھا۔"

شہزادے نے کہا۔ "بندۂ خُدا، اگر میں بھُول گیا تھا تو تُم نے مُجھے یاد کیوں نہ دِلایا؟"

یحتاش نے جواب دیا۔ "حضور اُس روز میں نے کہہ دیا تھا۔ بار بار عرض کرنے کی اجازت مُجھے نہ تھی۔ اور آج بھی نہ کہتا خواہ آپ مجھے قتل ہی کر ڈالتے۔ اب میں آپ کو سلام کے اِس راز سے آگاہ کرتا ہوں۔

بہت مدّت سے میں ایک مُوذی مرض میں مُبتلا ہوں۔ کبھی کبھی تکلیف اِس قدر بڑھ جاتی ہے کہ موت کی آرزو کرنے لگتا ہوں۔ لیکن اپنی مرضی سے مر بھی نہیں سکتا۔ جِن لوگوں نے طِلسم بنایا تھا، اُنھوں نے کہا تھا کہ جب اِس طِلسم کا فاتح کُنجی طلب کرے اور وہ کُنجی جس کے پاس ہو، اُس پر اِسم اعظم پڑھ کر دم کرے تو اُسی وقت وہ مرض دُور ہو گا۔ لیکن اِس میں شرط یہ

رکھی گئی کہ فاتح طِلسم کُنجی رکھنے والے کو سلام کرے اور بغیر سلام کرائے کُنجی والا اُسے ہرگز کُنجی نہ دے، خواہ قتل کی نوبت ہی کیوں نہ آ جائے۔ سلام کرنے کا خیال خود بخود فاتح طِلسم کے دِل میں آنا چاہیے۔"

یہ عجیب کہانی سُن کر شہزادہ حیران ہوا۔ اُسی وقت اِسم اعظم پڑھ کر یحتاش پر دم کیا۔ فی الفور اُس کی تکلیف دُور ہوئی۔ کہتے ہیں یحتاش کو پھر مرتے دم تک وہ مرض نہ ہوا۔ اِس کے بعد یحتاش نے جواہر نگار صندُوقچہ طلب کر کے اُس میں سے سونے کی کُنجی نکال کر شہزادے کے حوالے کی۔ ارقم جِن اور یحتاش نے گُنبد کے باہر قیام کیا اور شہزادے نے بسم اللہ پڑھ کر پہلے طبقے کے دروازے کا قُفل کھولا۔

جب شہزادہ پہلے طبقے میں داخل ہوا، وہاں گھُپ اندھیرا تھا۔ چند قدم اندھوں کی طرح راستہ ٹٹولتے ہوئے طے کیے۔ پھر طبیعت گھبرائی اور

واپسی کا اِرادہ کیا۔ مگر دروازہ غائب تھا۔ سخت حیران پریشان ہو کر پھر آگے روانہ ہوا۔ اندازے سے کوئی ایک کوس فاصلہ طے کیا ہوگا کہ اچانک روشنی نمودار ہوئی۔ شہزادے نے دِل میں کہا کہ باہر سے دیکھو تو گُنبد معلوم ہوتا ہے اور اندر دیکھو تو ایک لق و دق میدان ہے۔

جُوں جُوں آگے بڑھتا گیا، روشنی تیز ہوتی گئی۔ کئی ساعتوں کے بعد اپنے آپ کو ایک سر سبز باغ میں پایا جس کے ایک جانب اُونچا پہاڑ تھا۔ شہزادے کو پیاس لگی، لیکن باغ میں کہیں پانی نہ پایا۔ حال آں کہ وہاں پھل دار درخت کثرت سے تھے۔ آخر ہمّت کر کے پہاڑ پر چڑھنا شروع کیا۔ وہاں پانی کا ایک چشمہ دیکھا۔ ہاتھ مُنہ دھویا۔ تھکن دور کرنے کے لیے ایک جانب لیٹ رہا۔ پھر کُچھ وقفے بعد پہاڑ کی دوسری جانب اُترا۔ وہاں سفید رنگ کی چند گائیں نظر آئیں جو اطمینان سے گھاس چر رہی تھیں۔ سو

سال کی ایک بُڑھیا درخت کے نیچے بیٹھی دہی بِلو کر مکھّن نکال رہی تھی۔
شہزادہ اُس کے قریب گیا اور کہنے لگا:

"امّاں جان، سلام۔ تُم کون ہو اور یہ علاقہ کس کا ہے؟"

بُڑھیا نے بڑی شفقت سے کہا۔ "جیتے رہو بیٹا۔ آؤ، بیٹھو۔ میں یہاں اپنی نواسی کے ساتھ رہتی ہوں۔ اُس کی ماں مر گئی ہے۔ میری نواسی کا نام شیریں کوہ ہے۔ اُس کا باپ یہاں کے وزیر شطران پیک کے دربار میں ملازم ہے۔ شیریں کوہ کی غذا صرف دُودھ اور مکھّن ہے۔"

شہزادے نے کہا۔ "بہت خوب! امّاں جان، ذرا سا مکھّن مُجھے بھی دینا۔"

بُڑھیا نے مکھّن کے بجائے دُودھ کا ایک پیالہ بھر کے شہزادے کو دیا۔
اُس نے پیا۔ ایسا لذیذ دُودھ اُس نے پہلے کبھی نہیں پیا تھا۔ دوسرے

پیالے کی درخواست کی تو بُڑھیا نے کہا کہ بیٹا، دوسرا پیالہ دینا میرے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہاں سے اُٹھی اور کُچھ فاصلے پر ایک مکان میں داخل ہوگئی۔ شہزادہ بھی پیچھے پیچھے چلا۔ بُڑھیا نے مُڑ کر کہا:

"اندر آ جاؤ۔ دوسرا پیالہ شیریں کوہ تمہیں اپنے ہاتھ سے دے گی۔"

شہزادہ اندر گیا۔ دیکھا کہ ایک خوب صورت عورت پاکیزہ لباس پہنے کُرسی پر بیٹھی ہے۔ اُس نے شہزادے کو دوسری کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"ہم مہمان کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ فرمائیے، آپ کی کیا خاطر کریں؟"

"ایک پیالہ دُودھ عطا کیجئے۔" شہزادے نے کہا۔ "زندگی بھر نے ایسا مزے دار دودھ نہیں پیا تھا۔"

"بہت بہتر۔ ابھی حاضر کرتی ہوں۔" یہ کہہ کر شیریں کوہ نے تالی بجائی۔ ایک خادمہ آئی۔ اُسے حُکم دیا کہ ایک پیالہ دُودھ مہمان کی خدمت میں پیش کرو۔ شہزادے نے دوسرا پیالہ پیا۔ پہلے سے بھی زیادہ لطف آیا۔ شیریں نے کہا:

"اے نوجوان، آج میرے والد کے یہاں آنے کا دِن ہے۔ اِس مکان میں غیر لوگوں کا داخلہ منع ہے۔ تمہیں دیکھیں گے تو ناخوش ہوں گے۔ جہاں میری نانی کہے، وہاں جا کر چھُپ جاؤ۔ جب والد چلے جائیں گے تب آجانا۔"

یہ بات سُن کر شہزادہ ایک غار میں جا چھُپا اور تین روز تک وہاں بھوکا پیاسا پڑا رہا۔

چوتھے روز وہی بُڑھیا روتی پیٹتی آئی اور کہنے لگی:

"شیریں کوہ کا باپ شکار کے لیے کیا تھا۔ وہاں شیر نے اُسے پھاڑ کھایا۔"

یہ خبر سُن کہ شہزادہ بھی غم گیں ہوا۔ اُدھر شیریں کوہ کا رنج کے مارے بُرا حال تھا۔ شہزادے نے اُسے تسلّی دی اور کہا کہ خُدا کی مرضی میں کسی کا کیا دخل۔ جو ہونا تھا، ہو گیا۔ اب رنج دُور کرو۔

وہ رات شہزادے نے اُس مکان میں کاٹی۔ صُبح آنکھ کھُلی تو اپنا بدن لوہے کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے پایا۔ دیکھا کہ ہزاروں عجیب عجیب صورتوں کے لوگ جمع ہیں۔ معلوم ہوا یہ سب کے سب قوم جنّات میں سے ہیں اور اُن کے قبیلے کا نام پیک ہے۔ اِتنے میں ایک پیک نے جو سب کا سردار تھا شیریں کوہ کی نانی کو گلا دبا کر ہلاک کر دیا۔ پھر شہزادے کو گھسیٹتے ہوئے ایک شہر میں لے گئے۔ شہر کے بیچوں بیچ ایک عالی شان محل تھا۔ دیکھا کہ دیوانِ عام میں ایک شخص نقاب چہرے پر ڈالے تخت پر بیٹھا ہے۔ اِرد

گِرد پہرے دار ننگی تلواریں لیے ادب سے کھڑے ہیں۔ پیک سردار نے نقاب پوش کو جھُک کر سلام کیا اور کہا :

"حضور، یہ اجنبی نوجوان ہمارے علاقے میں گھُس آیا ہے۔ اِس نے شیریں کوہ کے باپ کو قتل کیا ہے جو شطران وزیر کا ملازم تھا۔ اِس کے بارے میں کیا حُکم ہے ؟"

نقاب پوش نے شہزادے سے کہا کہ سب حال سچ سچ عرض کرو۔ شہزادے نے شروع سے آخر تک سارا قصّہ کہہ سُنایا اور کہا کہ میں نے شیریں کوہ کے باپ کو قتل نہیں کیا۔ میری بھلا اِس سے کیا دُشمنی تھی۔ شیریں کی نانی نے مُجھے غار میں چھُپایا تھا اور اُسی نے چوتھے روز مُجھے یہ خبر دی کہ شیریں کا باپ شکار کو گیا تھا۔ وہاں جنگل میں شیر نے اُسے پھاڑ کھایا۔

نقاب پوش نے ساری داستان سُن کر کہا۔ "اے نوجوان، ہم نے تیرا بیان سُنا۔ کوئی گواہ تیرے حق میں کُچھ کہنے کے لیے تیّار نہیں۔ اِس لیے الزام تُجھ ہی پر آتا ہے۔ مگر ہمیں تیری جوانی پر ترس آتا ہے۔ اِس لیے ہم یہ حُکم دیتے ہیں کہ تو پہاڑ کی چوٹی پر جا اور وہاں رہنے والے اُس دیو کو قتل کر جو ہماری رعایا کو تنگ کرتا رہتا ہے۔ اگر تُو ایسا نہ کرے گا تو ہم تیری گردن مار دیے جانے کا حُکم صادر کریں گے۔" یہ عجیب و غریب فیصلہ سُن کر شہزادے کی سِٹّی گُم ہوئی۔ کُچھ جواب نہ دیا۔ تب نقاب پوش نے کہا:

"اے آدم زاد، فکر مند نہ ہو۔ میں نے نجومیوں سے سُنا ہے کہ اُس دیو کی موت ایک آدم زاد کے ہاتھ سے ہوگی۔"

یہ سُن کر شہزادے کو لَوح کا خیال آیا۔ نقاب پوش سے درخواست کی کہ

میں تھوڑی دیر کے لیے ایک الگ گوشے میں جا کر غور کرنا چاہتا ہوں۔ پھر آپ کو جواب دوں گا۔ اُس نے اجازت دی۔ شہزادے نے الگ جا کر لَوحِ زُحل پر نگاہ ڈالی۔ لکھا تھا:

"اے فاتح طِلسم بے کھٹکے اُس دیو کے قتل کا ارادہ کر لیکن نقاب پوش سے وعدہ لے لے کہ دیو کے قتل کے بعد وہ تُجھے اپنی صورت دکھائے۔"

شہزادے نے واپس آ کر نقاب پوش کے سامنے شرط پیش کی کہ اگر میں دیو کو قتل کرنے میں کام یاب ہو گیا تو آپ کو نقاب اُلٹ کہ اپنی صُورت دِکھانی ہو گی۔ یہ شرط سُن کہ نقاب پوش پہلے تو غضب میں آیا لیکن پھر راضی ہو گیا۔

شہزادہ پہاڑ کی جانب روانہ ہوا۔ اُس خوں خوار دیو کا نام اولاق تھا اور پیک قوم اُس کے ہاتھوں بہت تنگ تھی۔ آدمی تو درکنار، وہ جِنوں تک کو پھاڑ

کھاتا تھا۔ مُدّت بعد اُس کی ناک میں آدمی کی بُو آئی۔ خُوش ہو کر اپنے غار سے نکلا۔ شہزادے نے اُس کی صُورت اور قد دیکھا تو خوف سے تھرّا گیا۔ دیو نے ہاتھ بڑھا کر شہزادے کو پکڑنا چاہا۔ مگر اُس نے سنبھل کر شمشیرِ جمشیدی اِس زور سے ماری کہ اولاق دیو کا پنجہ کٹ کر ہوا میں اُڑتا ہوا دُور جا گِرا۔ دیو نے ایسی ہیبت ناک چیخ ماری کہ تمام پہاڑ کانپ گیا اور بڑے بڑے پتھرّ لُڑھک لُڑھک کر پہاڑ سے نیچے گِرنے لگے۔ دیو نے دوسرا پنجہ بڑھایا تو شہزادے نے اُسے بھی الگ کیا۔

دیو کے کٹے ہوئے بازوؤں سے خُون کے فوّارے جاری تھے اور شہزادہ سر سے پاؤں تک اُس کے خُون میں تر چکا تھا۔ دیو نے گھبرا کر بھاگنے کی کوشش کی، مگر اُس کی قضا آچُکی تھی۔ شہزادے نے تیسرا ہاتھ مارا اور دیو کی ایک ٹانگ کاٹ دی۔ پھر چوتھا وار کیا اور دوسری ٹانگ بھی اُڑا دی۔

دیو پہاڑ سے گرا اور لُڑھکنیاں کھاتا ہوا گہری کھائی میں جا گرا۔

دیو کے مرنے کی خبر سُن کر وزیر شہزادے کے استقبال کو فوج لے کر آیا اور تخت پر بِٹھا کر دربار میں لے گیا۔ نقاب پوش نے اِس مرتبہ تخت سے اُٹھ کر شہزادے کو تعظیم دی اور ہاتھ پکڑ کر اپنے برابر بِٹھایا۔ تب شہزادے نے کہا کہ جناب، میں نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اب آپ بھی کرم کریں اور چہرے سے نقاب اُٹھا دیں۔ یہ سُن کر نقاب پوش شہزادے کا ہاتھ پکڑے ہوئے محل کے اندر لے گیا اور ہر کمرے کا قُفل کھول کھول کر دِکھانے لگا۔ شہزادے نے دیکھا کہ ہر کمرے میں زر و جواہر کے انبار لگے ہیں۔ اِتنی دولت تو سات سلطنتوں میں نہ ہو گی۔ نقاب پوش نے کہا :

"اے نوجوان، یہ سب مال دولت لے لے لیکن میرے چہرے سے نقاب نہ اُٹھوا، ورنہ پچھتائے گا۔"

شہزادے نے کہا۔ "میں مال و دولت کا بھُوکا نہیں۔ خُدا کا دیا سب کچُھ میرے پاس ہے۔ آپ کو لازم ہے جو وعدہ مُجھ سے کیا ہے، اُسے وفا کریں۔"

آخر مجبُور ہو کر نقاب اُٹھایا۔ شہزادہ اُسی وقت غش کھا گیا۔ جب ہوش آیا تو اپنے آپ کو گُنبد کے باہر پڑے پایا۔ کُنجی بدستور ہاتھ میں تھی اور گُنبد اُسی طرح گردش کر رہا تھا۔ ارقم جِن اور یختاش دوڑے آئے اور پہلے طبقے کا حال پُوچھنے لگے۔ شہزادہ دیر تک حیرت سے خاموش رہا۔ آخر تمام حال بیان کیا۔ اب جو دیکھا تو گُنبد کے صرف چھ طبقے رہ گئے تھے۔ پہلا طبقہ غائب تھا۔ یختاش نے کہا کہ پہلا طبقہ جِس کی شہزادے نے سیر کی، گُنبد سے جُدا ہوا۔ شہزادے نے لَوح دیکھی۔ لکھا تھا:

"پہلے طبقے کی فتح مبارک ہو۔ وہ نقاب پوش دراصل مَلِکہ وہم افروز، جمشید

سیاہ قبا کی بیٹی ہے۔ اُس سے آئندہ تمہاری مُلاقات ہوگی۔ اب خُدا کا نام لے کر اِسی کُنجی سے دروازے کا قُفل کھولو۔ پہلا طبقہ گُنبد سے کوئی ایک ہزار کوس کے فاصلے پہ جا کر رُکا ہے۔ تختِ رواں پر سوار ہو کر وہاں جاؤ اور سات مُلکوں کی دولت پر قبضہ کرو۔ اِس کے بعد والے طبقے کی فتح پر کمرِ ہمّت باندھ کر نِکلنا۔

طِلسم جمشید کے طبقوں میں شہزادہ اسمٰعیل پر کیا بیتی؟ کیا اُس نے طِلسم فتح کر لیا؟ کیا سُلطان مہدی اور اُن کے ساتھی اِس ہولناک طِلسم سے آزاد ہوئے؟ یہ جاننے کے لیے اِس دِل چسپ داستان کا تیسرا حصّہ کوہ قاف کی مَلکہ پڑھیے۔

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور۔ باہتمام ظہیر سلام پرنٹر و پبلشر